مجلّہ

سہ ماہی

رشد وہدایت

اپریل تا جون ۲۰۱۶ء



مدیرتحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیرمسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

9559999984

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر: ۱ | رجب، شعبان، رمضان ۱۴۳۶ھ (اپریل تا جون ۲۰۱۵ء) | شمارہ نمبر: ۳

مدیر تحریر
مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
9235327576

مدیر مسئول
مولانا عبد العظیم قاسمی
9559999984

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِتعاون

سالانہ: =/100	فی شمارہ: =/25	خصوصی: =/1000

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

از:۔ مدیرِ تحریر

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، اسلام دشمن اور باطل طاقتوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں روزِ اول ہی سے جاری ہیں، اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات اور وسیع ہوتے دائرہ کار کو محدود کرنے بلکہ اس کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے کی ہر ممکن کوششیں آغازِ اسلام ہی سے شروع ہو چکی تھیں، اور دن بدن اس میں شدت آتی رہی، اور ہمارا دور تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ان مخالفتوں کا گویا عہد شباب ہے۔ اور اس وقت جو صورت حال ہے وہ گذشتہ صدیوں سے بالکل الگ انداز کی ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ دشمنانِ اسلام کھلے عام اسلام کی مخالفت کرتے تھے، اور دشمن ہی کے انداز میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے، یہ سلسلہ آغاز اسلام سے تقریباً ایک صدی تک چلتا رہا، پھر ایک دوسرا دور آیا اور عہد عباسی میں اس مخالفت نے ایک فتنے کی شکل اختیار کر کے اسلام کی حقانیت کو مشکوک بنانے اور مسلمانوں کی شبیہ کو مجروح کرنے میں سارا زور صرف کر دیا۔ باطنیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، جہمیہ، مرجئہ، قرامطیہ اور نہ جانے اور کتنے فرقے وجود میں آئے، اور ان کی اڑائی ہوئی گرد سے اسلام کی صاف شفاف تعلیمات پر شکوک وشبہات کی دھند ایک عرصے تک چھائی رہی۔ پھر امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء اسلام وصالحین امت میں ایک سے ایک صاحب علم واصحاب عزیمت میدان عمل میں آئے، جن کی جلالت علمی، صلابت ایمانی اور غیرت اسلامی نے باطل افکار ونظریات کے اس سیلاب پر بند لگا دیا، اور اسلام کا آفتاب عالمتاب شکوک وشبہات کی گرد سے نکل کر پھر پوری آب وتاب سے چمکنے لگا۔

اس فتنۂ علمیہ کے بعد عالم اسلام پر ایک سخت مرحلہ صلیبی یلغار اور یورش تاتار کی شکل

میں ظاہر ہوا، اس وقت اسلام کو نیست و نابود کرنے کی ایسی جان توڑ کوششیں کی گئیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب اسلام کا چراغ گل ہی ہو کر رہے گا اور مسلمانوں کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ مگر کیا ایسا ہوا؟ اسلام ختم ہو گیا اور مسلمان مٹ گئے؟ نہیں، تاتاریوں کا سیلاب بے اماں جب بغداد کی دیواروں سے ٹکرایا تو خلافت عباسیہ کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن جب یہ سیلاب مصر کی طرف بڑھا تو اللہ نے سلطان بیبرس کے ہاتھوں اس فتنہ کی کمر توڑ دی، اور پھر تو انھیں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ اقبال کو کہنا پڑا

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

صلیبی طوفان کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے نور الدین زنگی اور ~~صلاح الدین~~ ایوبی کو پیدا کیا، صلاح الدین ایوبی ایک عرصہ تک برق بے اماں اور شمشیر بے نیام بن کر ان کے چین وسکون کو غارت کرتا رہا، بالآخر حطین کے میدان میں صلیبیوں کو ایسی فاش شکست دی کہ انھیں پھر صدیوں تک اس کا حوصلہ نہ ہو سکا کہ وہ عالم اسلام کا رخ کر سکیں۔ سلطان ایوبی کے انتقال کے بعد اسلامی حکومت کا شیرازہ متحد نہ رہ سکا، اور حکومت طوائف الملوکی کا شکار ہو گئی، پھر ترکان آل عثمان کے ذریعہ اسلامی خلافت کو بڑا عروج حاصل ہوا، سلطان محمد فاتح جیسے جلیل القدر حکمران نے عیسائیت کے پایۂ تخت قسطنطیہ کو بھی فتح کر لیا اور قلب یورپ ایک عرصہ تک اسلامی خلافت کا پایۂ تخت رہا۔ ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی کے بعد سامراجی قوتوں اور طاغوتی طاقتوں نے اسلام کے خلاف ایک نیا محاذ کھولا، اور مدعیان نبوت کی ایک فوج کھڑی کر دی، دوسری طرف یہودیوں نے خلافت عثمانیہ کے دبدبے کو ختم کرنے کے لئے خفیہ سرگرمیاں شروع کر دیں، جھوٹے مدعیان نبوت تو اسلام اور مسلمانوں کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہونچا سکے، اور یہ حربہ ناکام ہو گیا، لیکن اسلامی خلافت کو توڑنے کی جو سازش جاری تھی اس میں دشمنان اسلام کامیاب ہو گئے، اور خلافت اسلامیہ کو ختم کر کے اسلامی ممالک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے عملاً اس کے حکمراں بن گئے، اور ایسے لوگوں کو حکومت کی باگ ڈور سپرد کی جو صرف اور صرف ان اسلام دشمن طاقتوں کے مفادات کے محافظ و پاسبان بن کر رہ گئے، انھیں اسلام اور مسلمانوں کی کچھ فکر نہ تھی، اگر ان میں سے کچھ حکمراں دینی مزاج اور فکر کے حامل تھے اور انھوں نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی کوشش کی تو انھیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا۔

۲۰۱۰ء میں عرب ممالک میں امریکہ و برطانیہ اور روس کے ان ذہنی غلام حکمرانوں سے نجات پانے کی لہر عوام میں چلی، جس کا آغاز تیونس سے ہوا، جو بہار عرب کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کی زد میں تیونس، مصر، لیبیا اور یمن خاص طور سے آئے اور یہاں اقتدار پر قابض بے دین حکمرانوں کا چراغ گل ہوگیا، خصوصا مصر میں اخوان المسلمین کی حکومت سے اسرائیل کے وجود پر خطرات منڈلانے لگے، دوسری طرف شام میں نصیری شیعوں کے چالیس سالہ اقتدار کو خطرہ پیدا ہوگیا۔ بشارالاسد جو روس کا پٹھا اور ایران کا نمائندہ ہے، اس کو سنی مسلمانوں سے انتہائی بغض اور نفرت ہے، جس کی تاریخ بڑی دردناک اور طویل ہے، اس کے باپ حافظ الاسد نے اقتدار پر قبضہ کر کے لاکھوں سنی مسلمانوں کو قتل اور ملک بدر کیا، بشارالاسد بھی اسی راہ پر گامزن ہے، جب سنی مسلمانوں نے اس کے اقتدار پر کاری ضرب لگائی تو یہ تمام طاقتیں جن کا یہ آلۂ کار ہے اس کی حمایت میں سامنے آگئیں، اور قتل وغارتگری کا یہ بدترین سلسلہ کئی سال سے جاری ہے۔

اسرائیل کو سب سے زیادہ خطرہ عراق اور شام کے سنی مسلمانوں سے ہے، اس کے توڑ کے لئے آناً فاناً ایک تنظیم منظر عام پر لائی گئی، جس نے خلافت کی تجدید اور دنیا کے مسلمانوں کو اسلام کے پرچم تلے متحد کرنے کا نعرہ لگایا، بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ بھی اسلام دشمن طاقتوں اور یہودیوں کا ایک نیا انداز ہے، اس لئے کہ کہاں تو اسلامی خلافت کا احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کو ایک پرچم تلے متحد کرنے کا نعرہ تھا، مگر جو انداز اس تحریک نے اختیار کیا اس نے اسلامی تعلیمات کی دھجیاں بکھیرنی شروع کر دیں اور جہاد کے نام پر خوب فساد مچایا، جس سے مسلمانوں کے خلاف باطل طاقتوں کو پروپیگنڈہ کا خوب موقع ملا۔ اب تو جو حقائق سامنے آرہے ہیں اس سے یہ یقین ہو چلا ہے کہ امریکہ اور اسلام دشمن طاقتوں نے اس تنظیم کو جو داعش (دولت اسلامیہ عراق وشام کا مخفف) کے نام سے جانی جاتی ہے، عراق میں کھڑا کیا، ہر طرح کے ہتھیاروں سے اس کی مدد کی، جس طرح سوویت یونین کو توڑنے کے لئے اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم کو ہر طرح کے اسلحوں اور مال کے ذریعہ مدد فراہم کی گئی اور جب سوویت یونین اپنے انجام کو پہونچ گیا تو طالبان حکومت ختم کرنے کے لئے اسی کو عنوان بنا کر افغانستان کو تہس نہس کر دیا گیا، اسی طرح کا معاملہ اس تنظیم کے ساتھ بھی ہوا، جب اس نے تیزی کے ساتھ پیش قدمی کر کے عراق کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا اور اس کے قدم شام کے علاقوں

میں پڑنے لگے تو پھر اسی کو بہانہ کر عراق وشام میں فضائی حملہ شروع کیا گیا، جس سے اس تنظیم کو جتنا نقصان پہونچا اس سے دس گنا زیادہ نقصان سنی مسلمانوں کو پہونچا، اب تنظیم کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے قتل وخون کا سلسلہ مسلسل جاری ہے، اب تو یہ حقائق کھل کر سامنے آ گئے ہیں، اس کے زخمیوں کا علاج اسرائیل جیسے ملک میں ہوتا ہے، اس سے تیل خریدنے والے اور اس کو اسلحہ فروخت کرنے والے یہی ممالک ہیں، جو اسے دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔

دراصل یہ سب کھیل اس لئے کھیلا جارہا ہے کہ ادھر چند سالوں سے امریکہ ویورپ میں اسلام جس تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگ اسلام کے قریب آ رہے ہیں، اس سے یورپ کے حکمراں، سیاستداں اور دانشوروں کو سخت تشویش ہے، وہ اسلام کے خلاف اپنے تمام تر پروپیگنڈوں کے باوجود اس صورت حال پر قابو نہیں پا رہے ہیں، ان کو یہ فکر لاحق ہے کہ اگر یہی صورت حال رہی تو اگلی چند دہائیوں میں یورپ کے بہت سے ملکوں میں عیسائی اقلیت میں اور مسلمان اکثریت میں آ جائیں گے، یہی صورتحال امریکہ میں بھی ہے، تو وہاں یہودیوں کا دبدبہ ختم ہوجائے گا۔ یہ سیاست، سازش اور پلاننگ کا ایک لمبا کھیل ہے، جو مسلمانوں کے خلاف کھیلا جارہا ہے، آئندہ سال امریکہ میں صدارتی انتخاب ہونے والے ہیں، ری پبلکن پارٹی کا صدارتی امیدوار بننے کے لئے ڈونالڈ ٹرمپ نامی ارب پتی تاجر اسی نظریہ کے تحت مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہا ہے، انہی اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے اسے دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں حمایت بھی سب سے زیادہ مل رہی ہے، ظاہر ہے اس مقبولیت کے پیچھے عام امریکیوں کا مسلمانوں سے نفرت کرنے کا فروغ پاتا جذبہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے لئے خطرہ اور دہشت گردانہ کاروائیوں کا محرک مانتے ہیں، اور امریکہ کی یہودی لابی اسے خوب ہوا دے رہی ہے۔ اگرچہ وہ اسرائیل کے بارے میں ٹرمپ کے موقف سے خوش نہیں ہے، لیکن وہ اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے حمایت کررہی ہے اس لئے کہ اگر ٹرمپ کامیاب ہوجاتا ہے تو بظاہر امریکہ میں مقیم ساٹھ لاکھ مسلمانوں کے لئے برے دن آ سکتے ہیں ان کی مشکلات بڑھ سکتی ہیں، لیکن یہ سب صورتحال اقتدار میں آنے سے پہلے کی ہے، جیسا کہ ووٹ لینے کے لئے سیاستداں اس طرح کا موقف اختیار کرتے رہتے ہیں، اس کی واضح مثال ہندوستان کے ''اچھے دن'' کے نعرہ کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے، جس کا آج تک کچھ اتا پتا نہیں ہے۔

اقتدار میں آنے کے بعد اسے عرب ممالک سے رشتہ بہر حال اُستوار رکھنا ہوگا، اس لئے کہ امریکی مصنوعات اور ہتھیاروں کی سب سے بڑی مارکیٹ عرب ممالک ہی ہیں، ورنہ پھر اس کے لئے بھی مشکلات کا پیدا ہونا یقینی ہے۔

گفتگو عالم اسلام کی موجودہ صورتحال، اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں اور داعش کے متعلق چل رہی تھی، اسی ضمن میں کچھ دوسری باتیں آگئیں، داعش کے بارے میں تو یہ بات بالکل واضح ہوچکی ہے یہ تنظیم اسلام کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کو رسوا اور بدنام کرنے کیلئے بنائی گئی ہے، اس کی تمام کارروائیاں اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہیں۔اس لئے فیس بک واٹس اپ وغیرہ پر اس سلسلے میں احتیاط سے کام لیں ورنہ یہ چیز خطرناک ہوسکتی ہے، سادگی میں نوجوان اس کا شکار بن جاتے ہیں، اور ہندوستان کی خفیہ ایجنسیاں بھی اس سلسلے میں گہری نظر رکھ رہی ہیں۔

اس بحرانی صورتحال میں اہل اسلام کو مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اللہ کی مدد جیسا کہ مضمون میں بتایا گیا بے وہم وگمان آتی ہے، البتہ ایسے حالات میں اہل اسلام کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے جس سے اللہ کی مدد آئے، اس سلسلے میں ایک تفصیلی مضمون اگلے صفحہ پر استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کا دیا جارہا ہے، اسے بغور پڑھیں اور اس کے مندرجات پر عمل کریں، ان شاء اللہ العزیز اللہ کی مدد اور رضا دونوں شامل حال ہوگی۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات کے بحران میں دستور العمل

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

ہمارے ملک کے حالات رفتہ رفتہ وہ رخ اختیار کرتے جارہے ہیں جس سے علماء کرام، مسلم سیاسی زعماء اور عام مسلمانوں میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت بڑھتی جارہی ہے، ہم نے پہلے انھیں صفحات میں ذکر کیا تھا کہ موجودہ حکومت ملک کے حق میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً بدنیت ہے، اس کی بدنیتی کے مظاہر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں، یہی بدنیتی تھی جس نے اجودھیا کی ایک تاریخی مسجد کو منہدم کرایا، اور اس کے نتیجے میں ملک بھر میں فسادات کی ایک لہر چل پڑی، اور پھر اس کے بعد خدائی قہر کا کوڑا ابھی خوب برسا، پھر جب سے مرکز میں موجودہ حکومت بنی ہے اس کی بدنیتی کا ظہور جلد جلد ہونے لگا ہے۔ اس حکومت کو..... حکومت ہی کیا..... اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو دینی استقامت، مذہبی پختگی اور اسلامی تشخص بخشنے کا عمل ان مدارس دینیہ میں انجام پاتا ہے جن کے قیام و بناء کا آغاز اسی وقت ہوا تھا جب ہندوستان میں مسلمانوں کی مغلیہ حکومت کا چراغ جھلملا جھلملا کر ۱۸۵۷ء میں بجھ گیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اس کے بعد مدارس کا سلسلہ چل نکلا، مدارس ہی کے طفیل ہندوستان میں مسلمان بچے رہے، اسلامی تشخص بچا رہا، ان مدارس سے اتنے طاقتور علماء اٹھے جو حکومتوں سے بے تکلف ٹکرا سکتے تھے، وہ انگریزی سامراجیت سے ٹکرائے، اور ایسا ٹکرائے کہ اسے پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوگیا تو ہندوستان کے مسلمان ایک مرتبہ پھر لہولہان ہوگئے، اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ پاکستان بننے کے انتقام میں یہاں کی اکثریت انھیں نگل جائے گی، لیکن یہ علماء ہی تھے جنھوں نے اللہ کی توفیق سے مسلمانوں کو، ان کے دینی وجود کو، ان کے اسلامی قانون و شریعت کو سنبھالا اور بچایا۔ یہ علماء، یہ شاہین کا جگر رکھنے والے علماء، عقاب کی نگاہ رکھنے والے علماء کہاں بنتے اور کہاں ڈھلتے ہیں؟ یہ مدارس ہی ہیں جہاں سے ہر ضرورت کے وقت ایک سے ایک

جگر دار اور دور اندیش علماء پیدا ہوتے ہیں، دنیا چاہے انھیں کتنا ہی رجعت پسندی اور بنیاد پرستی کا طعنہ دے، مگر دین اسلام کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جب تک یہ مدارس ہیں اور جب تک یہ علماء ہیں، مسلمان کا جسم تو لہولہان ہوسکتا ہے، اس کا مال تہس نہس ہوسکتا ہے مگر اس کی روح فنا نہیں ہوسکتی ہے۔ حکومت نے بھی یہ سمجھا اور اس نے سازشوں کا رُخ ادھر پھیر دیا۔ ایک غُل مچا ہوا ہے کہ مدارس کے اندر صرف دینی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تخریب کی مشق کرائی جاتی ہے، بغاوت کے لاوے پکائے جاتے ہیں، اللہ جانے کن کن تباہ کاریوں کا مرکز انھیں بتایا جاتا ہے، بے بنیاد الزام! بے حقیقت تہمت! لیکن اس زور وشور سے انھیں پھیلایا جاتا ہے جیسے یہی حقیقت ہو، پہلے تو ملک کے سرحدی مدارس کو خطرے کا نشان بتایا گیا، اب آگے بڑھ کر دار العلوم دیوبند کو.....جو اس ملک میں جدوجہد آزادی کا بڑا مرکز رہ چکا ہے.....نشانہ بنایا جارہا ہے، یوم آزادی کے موقع پر اس سے کچھ دنوں پہلے سے خاص دیوبند میں اس کے خلاف سرگرمیوں کے آثار پائے جارہے تھے، پھر کچھ روز پہلے ٹرین میں ایک بم دھماکہ ہوا، جس میں دار العلوم دیوبند کا ایک طالب علم شہید ہوگیا اور تین زخمی ہوئے، اور پھر الزام انھیں پر رکھا گیا کہ اس دھماکہ کے مجرم یہی تھے، حالانکہ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی، لیکن جو بات آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اس کو محو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان حالات سے مسلمان بہت وحشت زدہ اور کبیدہ خاطر ہیں، اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ قومی پیمانے پر انھیں ہراساں کرنے اور پھر مٹادینے کا منصوبہ ہر وقت زیر غور رہتا ہے، بلکہ بروئے کار آتا رہتا ہے، لیکن مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست

دشمن اگر مضبوط ہے تو نگہبان اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔

مسلمان وحشت میں مبتلا نہ ہوں، نہ کچھ خوف کریں، مسلمان بزدل نہیں ہوتا، اس کا مرکز قلب اور مطمحِ نگاہ صرف اور صرف ایک ہے، یہ مشرک نہیں کہ کمزور خداؤں سے مایوس ہوجائے، یہ موحد ہے، اس کا ایمان اللہ پر ہے جس کے اشارے پر ساری کائنات ہے، مشرک تو عذابِ دائمی میں گرفتار ہے، شرک کی ظاہری اور عارضی چمک دمک سے نگاہیں اگر خیرہ ہوگئیں تو توحید اور ایمان کی سخت توہین ہے، مسلمانوں کو صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان ناموافق حالات میں جبکہ بحالت موجودہ طاقت کے مجتمع کرنے اور اسے استعمال کرنے سے یکسر مجبوری ہے، شریعت اسلامی کے احکام معلوم کریں اور

بغیر کسی تذبذب کے ان پر جم جائیں اور یقین کی قوت کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو جائیں، پھر دیکھیں کہ ان کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے اتر آئیں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ، نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ.
(سورہ حم السجدۃ: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اپنے اس قول پر مضبوط رہے، ان پر فرشتے مسلسل اُترتے ہیں کہ نہ کچھ اندیشہ کرو، نہ افسوس میں پڑو اور جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو، یہ سب سامان مہمانی ہے، مغفرت کرنے والے رحم وکرم کرنے والے کی جانب سے۔

یہ اللہ کا فرمان ہے، جو ہر قسم کے شک وشبہے سے پاک ہے، اور اگر مسلمان ہو کر مسلمان ہونے کی وجہ سے، اسلام پر ثابت قدم ہونے کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں، مارے جاتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں، تو کچھ غم نہیں، جس ذات کے نام پر ستائے جارہے ہیں، مارے جارہے ہیں، لوٹے جارہے ہیں، اس کو سب خبر ہے، ہر دشمن اس کی گرفت میں ہے، اور مسلمان کی تو بڑی سعادت ہے اس کے پروردگار کے نام پر اور اس کی وجہ سے ستایا اور مارا جائے۔ مارے گئے تو شہید ہیں، جن کے بارے میں پروردگار کا حکم ہے کہ انھیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں انھیں روزی ملتی ہے، اور اس دنیا سے کہیں بڑھ کر انھیں بڑے بڑے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں: **فَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ قٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ** (آل عمران) پھر وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، ان سے ان کی برائیاں دور کردوں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی جناب سے بدلہ ہے، اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے۔

ان آیات میں جو چند چیزیں اللہ نے ذکر فرمائی ہیں ، یعنی (۱) ہجرت کرنی (۲) گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا جانا (۳) اللہ کی راہ میں ستایا جانا (۴) جہاد کرنا (۵) اور پھر شہید ہونا۔

مسلمان نہ مرنے سے گھبراتا ہے اور نہ ستائے جانے سے ، بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے ہو، کسی اور مقصد سے مارا جانا یا ستایا جانا اس کے لئے باعث ننگ ہے ، مگر اللہ کے لئے یہ سب ہو تو صد رشک عبادت ہے۔

پس یہ حالات ایک مسلمان کے لئے مایوسی کا سبب نہیں ہیں ، وہ اللہ سے امید کبھی نہیں توڑتا ، اس کی قدرت میں ہے جب چاہے حالات کو پلٹ دے۔

پس اے مسلمانو! ☆ اللہ کی اطاعت کرو، ☆ رسول کی سنت پر چلو، ☆ نمازوں کی پابندی کرو، ☆ صرف اللہ سے مدد مانگو، کسی اور آستانے پر مت جھکاؤ، ☆ بدعت سے اجتناب کرو، ☆ دل سے کینہ کپٹ کو دور کرو، ☆ حقوق کے ادا کرنے میں سبقت کرو، ☆ کسی کا حق نہ مارو، نہ ستاؤ، ☆ وراثت کو شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرو، ☆ اپنی ظاہری شکل وصورت کو شریعت کے مطابق رکھو۔ داڑھی بڑھاؤ، مونچھوں کو ترشواؤ، ☆ ہر ناجائز آمدنی سے پرہیز کرو، ☆ غلط خرچ سے خود کو بچاؤ، ☆ جھوٹ سے ، تہمت تراشی سے ، غیبت سے ، آبروریزی سے اپنی مجلسوں کو پاک رکھو، ☆ مال بقدر نصاب ہو اور سال گزر جائے تو فوراً زکوۃ ادا کرو، ☆ حج کی استطاعت ہو جائے تو بلا تاخیر حج کرو، ☆ رمضان شریف کے روزے رکھو اور تراویح کا اہتمام کرو۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن سے کوئی نہیں روک سکتا ، اتنا کر لو تو دیکھنا کیسا انقلاب آتا ہے ، جس کی آج طاقت نہیں ہے ، کل وہ کام آسان ہوگا ، کوئی حکومت کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ، خیر وشر سب خدا کی قدرت میں ہے ، ان کی بات مانو اور اطمینان سے ان پر توکل کرو: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ، (سورۃ الطلاق:۳) جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے ، اللہ اس کو کافی ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ (سورۃ الملک) کہہ دو وہی رحمٰن ہے ، اسی پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے توکل کیا ، جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی غلطی اور گمراہی پر کون تھا۔

(حدیث درد دل ، ص:۲۴۴)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ (اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک دن ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو بھائی یہ میں نے مدرسہ کھولا ہے اور کوئی دوکان نہیں کھولی ہے، اور میں اس کو ہر قیمت پر چلانے کا مکلّف نہیں ہوں۔ میں اس کا مکلّف ہوں کہ اپنی حد تک اس کو چلانے کی جتنی کوشش ہوسکتی ہے وہ کروں اور اس کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا بھی مکلّف نہیں ہوں، لہٰذا جب تک اصول صحیحہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو چلاسکو تو چلاؤ، لیکن جس دن اس کو چلانے کے لئے اصول صحیحہ کو قربان کردینا پڑے اس دن اس کو تالا ڈال کر بند کردینا، کیونکہ مدرسہ بذات خود مقصد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب مدرسہ اصول صحیحہ پر چلایا جائے، یہ کوئی دوکان نہیں ہے کہ اس کا ہر حال میں چلتے رہنا ضروری ہو، اس کو بند کر کے کوئی اور دھندا دیکھ لو، کوئی اور کام کرلو۔

یہ بڑے کانٹے کی بات فرمائی تھی اس لئے کہ عام طور سے جب مدرسے قائم کئے جاتے ہیں تو دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر حال میں چلانا ہی ہے، اگر صحیح راستہ اختیار کئے ہوئے نہیں چلتا تو غلط راستہ اختیار کرو، لیکن وہ کہتے تھے کہ غلط راستہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو جب صحیح راستہ سے نہیں چل رہا ہے تو بند کردو۔ آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے بند کیوں کردیا، ساری عمر اسی اصول پر عمل فرمایا، مدرسوں کے اندر جو جذبات ہوتے ہیں ان کی کبھی رعایت نہیں کی۔

جب دارالعلوم نانک واڑہ سے یہاں منتقل ہو رہا تھا تو آپ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ یہ جگہ کیا تھی، ایسا ویرانہ اور ریگستان اور ایسا صحرا تھا جس میں دور دور تک نہ پانی، نہ بجلی، نہ فون، نہ پنکھا، نہ بس اور نہ کوئی آمدورفت کا ذریعہ، بس ڈیڑھ میل دور جا کر ملتی تھی، وہ بھی سدا جنگل تھا، پانی شرافی

گوٹھ کے کنویں سے بھر کر لاتے تھے، یہاں پانی نہیں تھا، ایسی جگہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس وقت بہت سے ایسے اساتذہ جو بڑے مشہور تھے اور ہمارے یہاں پڑھا رہے تھے وہ یہاں آنے پر تیار نہیں تھے، اس لئے کہ یہاں زندگی بڑی پُر مشقت تھی، بہت سے حضرات اور بڑے بڑے اساتذہ جن میں چند ایسے اساتذہ بھی تھے جو دارالعلوم کی بنیاد سمجھے تھے وہ چلے گئے۔ ان کے جانے سے ظاہر ہے مدرسے کے اوپر اثر پڑنا تھا، تو لوگوں نے والد صاحب کے پاس جا کر کہنا شروع کر دیا کہ جب اتنے بڑے بڑے اساتذہ چلے گئے ہیں تو مدرسہ کیسے چلے گا؟ لہٰذا کسی مشہور استاذ کو خط لکھ دیں کہ آپ ان کو بلانا چاہتے ہیں، لیکن والد صاحب نے کہا کہ یہ میرے اصول کے خلاف ہے، میں یہ نہیں کر سکتا کہ ایک مدرسہ کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کروں، لہٰذا اگر کوئی کہیں کام کر رہا ہے تو میں اس کو بیع علیٰ بیع اخیہ نہیں کروں گا، ہاں اگر خود سے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں تو دوسری بات ہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ دورۂ حدیث کی جماعت میں بارہ یا تیرہ طالب علم تھے، لوگوں نے کہا کہ دورۂ حدیث کی جو جماعت ہے اور بارہ تیرہ طالب علم ہیں، کہا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ طلبہ کی بھیڑ جمع کریں، ہمارے جو صحیح طریقے ہیں ان سے ہم جتنا کر پا رہے ہیں اسی کے مکلّف ہیں چاہے وہ بارہ ہوں یا دس ہوں یا پانچ ہوں، ایک بھی نہ ہو نہ سہی، لیکن اصول صحیحہ کو قربان کر کے طلبہ کی جماعت بڑھاؤں، یہ نہیں کروں گا۔ سالہا سال یہ صورتحال رہی، کئی سال تک یہ صورتحال رہی کہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی دیکھو فلاں مدرسہ میں اتنے طالب علم ہیں اور اس میں بارہ چودہ طالب علم ہیں۔ فرماتے وہ ہوا کرے، ہمیں جماعت بڑھانا تھوڑا ہی مقصود ہے، ہمارا مقصد دین کی خدمت ہے چاہے وہ جس طرح بھی ہو جائے، کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے، ایک استاذ کافی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو حالت ضرورت اور اضطرار ہے، انھوں نے جواب دیا کہ صاحب یہ مولویانہ تاویلات چھوڑو میں یہ کام نہیں کروں گا، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ خود کہیں سے چھوڑنا چاہتے ہیں تو ان کو بلا لوں گا، ساری عمر یہی کام کیا۔

یہ پلے باندھنے کی باتیں ہیں، جب مقصود دین ہی ہے پھر ہر معاملہ میں دین کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ مدرسہ کے لئے اور معیار ہے اور دوسروں کے لئے اور معیار ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی، پورہ رانی، مبارکپور

﴿وَإِلىٰ ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحاً، قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ، قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ، هٰذِهِ نَاقَةُ اللهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْ أَرْضِ اللهِ وَلاتَمَسُّوْهَا بِسُوْءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ. وَاذْكُرُوْا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوراً وَّتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتاً، فَاذْكُرُوا آلاءَ اللهِ وَلاتَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ [سورة الأعراف]

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے، سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو، کھاتی پھرا کرے، اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ، ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور زمین میں رہنے کا ٹھکانا دیا، تم اس کے نرم حصوں (میدان) میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو، سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں مبعوث ہوئے اس کو قوم ثمود کہا جاتا ہے، علماء انساب نے قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے نسب نامہ میں ایک شخص کا ذکر کیا ہے، جس کا نام ثمود ہے، اسی شخص کی طرف نسبت کرکے یہ قبیلہ اور قوم، قوم ثمود کہلاتی ہے۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں، یہ دو شخصوں کے نام ہیں، بنو عاد، قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود، قوم ثمود کے نام سے موسوم ہوئے، قوم ثمود کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز و شام کے درمیان وادیٔ قریٰ تک جو میدان ہے، یہ سب ان کا مقام سکونت تھا، قوم عاد کی ہلاکت کے بعد یہ لوگ زمین میں پھلے پھولے، قوم عاد کی

طرح قوم ثمود بھی بڑی قوت اور طاقت والی تھی، زمین کے نرم حصوں میں یعنی میدانی علاقوں میں محلات اور بڑے بڑے مکانات بناتے تھے، نیز پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے گھر بناتے تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوراً وَّتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتاً﴾ میں بیان فرمایا ہے، قوم ثمود کے تراشے ہوئے پہاڑ اور ان میں بنائے ہوئے مکانات، کھنڈرات کی شکل وصورت میں آج تک موجود ہیں، جو مدائن صالح کے نام سے مشہور ہیں۔

قوم ثمود اپنے پیشروؤں کی طرح بت پرست تھی اور بہت سے معبودان باطلہ تجویز کر رکھے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو جو قوم ثمود ہی کے ایک فرد تھے، قوم کی اصلاح اور احقاقِ حق کے لیے نبی بنا کر بھیجا، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلایا اور فرمایا: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ. اے میری قوم! (تنہا) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو تمسخرانہ انداز میں انتہائی نامعقول جواب دیا، جس کو قرآن کریم نے سورۃ القمر میں نقل فرمایا: ﴿فَقَالُوْا أَ بَشَراً مِّنَّا وَاحِداً نَتَّبِعُهٗ، إِنَّا إِذاً لَّفِي ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ، ءَ أُلْقِيَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا، بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ﴾ سوانھوں نے کہا: کیا ہم ایک ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ہے، بیشک اس صورت میں تو ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے، کیا ہم سب کے درمیان اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ جھوٹا شیخی باز ہے۔

نیز قوم نے یہ بھی کہا: ﴿يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوّاً قَبْلَ هٰذَا أَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا إِلَيْهِ مُرِيْبٍ﴾ اے صالح! پہلے تو تو ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں، پھر کیا تو ہمیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں ہم جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے، بے شک ہم کو اس میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی ہی نہیں ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے وہ بہت قلیل تھے، اور دنیاوی اعتبار سے کمزور بھی تھے، عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر پہلے وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں اور قوم میں حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، جب کہ قوم کے سردار اور سرمایہ دار باطل پرستی پر قائم رہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہمہ قسم کی نعمتوں کا شکر ادا

کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنالیا، یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے: اگر ہم باطل پر ہوتے تو ہم کو مال و دولت کی کثرت، سیم و زر کی بہتات اور سرسبز و شاداب باغات کی فراوانی نہ ہوتی، اے صالح! تو خود کو اور اپنے متبعین کو دیکھ اور تنگ حالی اور غربت پر نظر رکھ اور بتلا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہم ہیں یا تم؟ حضرت صالح علیہ السلام جواب میں فرماتے: اللہ کے رسول اور اس کے لائے ہوئے دین برحق کا مذاق نہ اڑاؤ، اگر تمہارے غرور و عناد کا یہی حال رہا تو پل بھر میں یہ سب ختم ہو جائے گا، پھر نہ تم رہو گے اور نہ تمہارا ساز و سامان، تمہارا یہ سمجھنا کہ یہ نعمتیں اور ساز و سامان خوشنودیٔ الٰہی کا ثمرہ ہیں، سخت غلطی ہے۔ الغرض حضرت صالح علیہ السلام برابر تبلیغ کرتے رہے، قوم کو سمجھاتے، اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور خوف دلاتے رہتے، لیکن قوم نے نہ مانا، بلکہ کہا کہ کوئی ایسا معجزہ اور نشانی دکھاؤ جس سے ہم تمہاری صداقت کے قائل ہو جائیں اور تم پر ایمان لائیں؟ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: کون سی نشانی چاہتے ہو؟ قوم نے کہا: پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھلا دو، اگر اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کے نبی ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ منہ مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے؛ لیکن قوم اپنے مطالبے پر اڑی رہی تو حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی، اسی وقت ایک پہاڑی پھٹی اور ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا مطلوبہ نشان اونٹنی کی شکل میں موجود ہے، اگر تم نے اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا تو تمہارا یہی مطلوبہ نشان تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگا۔

یہ ماجرا دیکھ کر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے، کچھ بڑے لوگوں نے ایمان لانے کا ارادہ کیا، لیکن بتوں کے پجاریوں نے ان کو ایمان لانے سے روک دیا۔

بہر حال قوم اونٹنی کو برداشت نہ کر سکی، ایک سازش کے تحت قیدار بن سالف نامی شخص کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اونٹنی کے قتل میں پہل کرے اور کچھ لوگ اس میں اس کی مدد کریں، اس طرح اونٹنی کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو فرمایا: ﴿تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ﴾ تم اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھا لو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے۔

جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین روز کے بعد نہ ٹلنے والا عذاب آ جائے گا تو قوم نے مذاق اڑایا اور کہنے لگے: ﴿يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ اے صالح! وہ عذاب لے آؤ، جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو، اگر تم پیغمبروں میں سے ہو۔ (بقیہ ص ۲۲ پر)

ﷺ

ماہ شعبان اور شب برأت کی فضیلت وعظمت

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

شعبان المعظم اسلامی تقویم کا آٹھواں مہینہ ہے، اس کی عظمتِ شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا: شَعْبَانُ شَهْرِيْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللهِ کہ شعبان میرا مہینہ اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

اس سے بظاہر یہ سمجھا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس ماہِ معظم کی نسبت اپنی طرف کر کے اس مہینہ میں کثرت عبادت وریاضت اور رمضان شریف کے روزوں کی تیاری کی ترغیب دی ہے؛ کیوں کہ آنحضور ﷺ ماہِ شعبان میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! روزہ رکھنے کے لیے آپ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جو مہینہ ہے وہ شعبان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ماہ میں اللہ تعالیٰ اس سال ہر مرنے والے کا نام لکھ دیتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میری اجل لکھی جائے تو میں روزہ کی حالت میں رہوں۔ [الترغیب والترہیب للمنذری ج:۲، ص:۱۱۷]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ جتنا روزہ آپ ماہِ شعبان میں رکھتے ہیں، اتنا روزہ کسی اور مہینہ میں نہیں رکھتے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ رجب اور رمضان کے درمیان ایک مہینہ ہے، جس کی عظمت سے لوگ غافل ہیں، حالانکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رب العالمین کے دربار میں اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال کی پیشی اس حالت میں ہو کہ میں روزہ کی حالت میں رہوں۔ [الترغیب والترہیب للمنذری ج:۲، ص:۱۱۶]

محبوب سبحانی حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں لکھا ہے

کہ شعبان، شعب سے مشتق ہے، جس کا معنی: پھیلنا اور بکھرنا ہے، اور مہینہ کا شعبان نام اس وجہ سے پڑا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کثرت سے بکھرتی اور عام ہوتی ہیں۔

ماہِ شعبان اصل میں ماہِ رمضان کی تیاری اور روزہ کی مشق کا مہینہ ہے، اپنے کو رمضان المبارک کے لیے پوری طرح تیار کرنے اور اس کا استقبال کرنے کا مہینہ ہے۔اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ جب کوئی فوج محاذِ جنگ پر جانے کو ہوتی ہے تو پہلے ہی سے فوجی مشق شروع کر دیتی ہے، بالکل یہی خصوصیت ماہِ شعبان کی ہے۔اس مہینہ میں بندگانِ خدا کی عمر اور موت اور ان کے سال بھر کے رزق کا پورا چارٹ فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے کہ اس سال کون مرے گا، کس کا رزق کشادہ کیا جائے گا اور کس کا تنگ کیا جائے گا، گویا ایک طرح سے منجانب اللہ یہ بجٹ پیش کرنے کا مہینہ ہے۔

عظمت والی رات شب برأت:

ماہ شعبان میں ایک نہایت مبارک رات ہے، جو نصف شعبان کی ہے، جس کو شب براءت کہا جاتا ہے، شب براءت اس لیے کہ اس رات اللہ تعالیٰ بے حساب وشمار بندوں کی مغفرت فرما کر جہنم سے ان کو نجات دیتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس نہیں پایا، میں تلاش میں باہر نکلی تو دیکھا کہ بقیع الغرقد میں تھے، جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا: کیا تم کو اندیشہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا؟ میں نے کہا کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ اپنی کسی اور زوجہ کے پاس چلے گئے ہوں گے، آپ نے فرمایا کہ عائشہ! میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے کہا: یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں جہنم سے لوگوں کو آزاد کرتے ہیں؛ مگر مشرک، کینہ پرور، قطع رحمی کرنے والے، ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والے، والدین کو ستانے اور نافرمانی کرنے اور شراب کے عادی کی مغفرت نہیں فرماتے۔[بیہقی، ترمذی: ج:۱،ص:۱۵۶]

اسی مفہوم کی حدیثیں امام احمد بن حنبلؒ اور امام بزارؒ نے روایت کی ہیں، علامہ حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد'' میں شب براءت اور شعبان کی فضیلت سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر(۱): حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب شعبان کی پندرہویں

رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اپنے بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں، سوائے اس شخص کے جو مشرک ہو یا اپنے بھائی سے ناحق عداوت رکھتا ہو۔

حدیث نمبر(۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں، سوائے مشرک اور مشاحن کے۔(مشاحن وہ شخص ہے جو کسی سے بلاوجہ عداوت رکھتا ہے، یہاں مراد وہ اہل بدعت ہیں جو اہل سنت سے خارج ہیں۔[امام اوزاعیؒ]

بدنصیب افراد:

شب براءت میں جب کہ عام بخشش ہوتی ہے، امت کے چند ایسے محروم القسمت افراد بھی ہیں، جن کی مغفرت نہیں ہوتی۔ وہ کتنے معتوب ہیں رب العالمین کے دربار میں! اور افسوس کہ کثیر تعداد میں اس طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں، اور مشرک تو بہر حال اس کی بخشش کا سوال ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿إِنَّ اللّٰہَ لاَیَغْفِرُ أَن یُّشْرَکَ بِہٖ، وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ﴾ لیکن جو صاحبِ ایمان ہیں، ان کے اندر وہ ناپسندیدہ صفات پائی جاتی ہیں، جو مغفرت کا دروازہ ان پر بند کر دیتی ہیں۔

کینہ پرور:

ان میں سے ایک کینہ پرور مسلمان ہے، جو اپنے دل میں دوسرے مسلمان بھائیوں سے ان کی کسی خوبی یا کسی اور سبب سے کینہ رکھتا ہے اور اس کے لیے مصیبت و پریشانی کی تمنا کرتا ہے، حسد کرتا ہے، جلتا ہے اس کی خدا داد خوبیوں پر، یا دولت وثروت اور علم وفضل سے، اللہ ایسے کینہ پرور کو شب برأت کے فیضِ عام سے محروم رکھتے ہیں۔

والدین کا نافرمان:

اللہ تعالیٰ نے والدین کا مقام ومرتبہ اتنا بلند فرمایا ہے کہ اپنی عبادت کے حکم کے بعد معاً والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کی نافرمانی کو جرمِ عظیم قرار دیا ہے؛ یہاں تک کہ ان کی کسی بات پر ناگواری کا جملہ بولنا، اُف کہنا بھی حرام کیا ہے، والدین کے احسانات کو یاد کر کے ان کے حق میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے؛ لیکن اس دور کی اولاد اپنے ضعیف والدین کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے، وہ خود اپنا محاسبہ کر کے اپنا انجام سوچ لے، ایسی نافرمان، والدین کو ستانے

والی اولاد خواہ کتنی ہی عبادت گذار ہو، اللہ کے نزدیک اس کی عبادت کا کوئی درجہ نہیں؛ اس لیے کہ جب والدین ہی خوش اور راضی نہیں تو پھر اللہ بھی راضی ہونے والا نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رضا والدین کی رضامندی میں ہے۔

قطع رحمی کرنے والا:

محروم القسمت مسلمانوں میں سے ایک وہ مسلمان بھی ہے، جو اپنے قریبی رشتہ داروں سے قطع تعلق رکھتا ہے، ان سے بول چال بند اور ملنا جلنا ختم ہوتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے بس اللہ تعالیٰ ہی بچائے، بھائی بھائی میں قطع تعلق ہے، ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے عداوت رکھتا ہے، شادی بیاہ ہو یا بیماری اور موت ہو، ایک دوسرے کے پاس آنا جانا نہیں ہے، یہ قطع رحمی کسی دینی سبب سے نہیں ہوتی، بس دنیاوی جھگڑے ہیں، آپس کا شکوہ شکایت ہے، زمین جائداد کا مسئلہ ہے، اور بول چال، ملنا جلنا بند ہو گیا ہے، اتنی دشمنی کہ اللہ کی پناہ! شکل دیکھنے کے روادار نہیں، اس پر نماز کی پابندی بھی ہے، حج پر حج ہو رہے ہیں، تبلیغی جماعت کا چلہ بھی لگ رہا ہے، تلاوت کی کثرت بھی ہے، صدقہ وخیرات بھی ہے؛ لیکن قطع رحمی ہے کہ اس کو ختم کرنے کو تیار نہیں۔

شراب نوشی:

محروم ومبغوض مسلمانوں میں سے ایک وہ بھی ہوتا ہے، جو شراب پینے کا عادی ہے، شراب کو اللہ کے رسول ﷺ نے ام الخبائث فرمایا ہے کہ ہر برائی کی اصل اور جڑ ہے، شراب نوشی کے مفاسد سماجی بھی ہیں اور جسمانی بھی، آدمی ہوش وحواس کھو کر نہ جانے کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، شراب کے حکم میں ہر قسم کی منشیات بھی داخل ہیں، جو آج سماج میں مختلف ناموں سے متعارف ہیں۔ افسوس کہ نئی نسل میں شراب نوشی اور منشیات کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے، معاشرہ بھی تباہ ہو رہا ہے اور شرابی کا جسم بھی تباہ ہو رہا ہے، وقتی لذت ہزاروں مصیبت کا ذریعہ ہے اور آخرت کے دن مغفرت ورحمت سے محرومی کا سبب ہے۔

شب برأت کا اہتمام:

ہمارے ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں شب براءت کی عبادت وطاعت کا اہتمام بزرگوں نے ہر دور میں کیا ہے اور آج بھی یہ روایت باقی ہے، جب کہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والا

ایک جدید فرقہ بھی ہے، جو شب براءت کی عبادات اوراس کے اہتمام کو بدعت قرار دیتا ہےاوراپنے کو حدیث پر عامل طبقہ کہتا ہے، جب کہ پندرہویں شب کی عبادت اور دن کے روزہ رکھنے کا حکم بتانے والی حدیث کواس فرقہ کے علمانے بھی صحیح مانا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نےفرمایا:إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا. [رواہ ابن ماجہ] کہ جب شعبان کی پندرہویں شب آئے تو اس رات عبادت کا اہتمام کرواوراس کے دن میں روزہ رکھو۔صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس حدیث اور شب شعبان سے متعلق دیگراحادیث کونقل کر کےفرماتے ہیں:فَهٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ بِمَجْمُوْعِهَا حُجَّةٌ عَلىٰ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِيْ فَضِيْلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ شَيْءٌ. [تحفۃ الاَحوذی،ج:۲،ص:۵۳]

اس سلسلے میں ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ نے بہت مدلل تحریر فرمایا، نیز حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کی کتاب ''شب برأت کی شرعی حیثیت'' میں اس موضوع پر بہت مستند مواد ملے گا، دونوں بزرگوں نے ثابت کیا ہے کہ شب براءت کا اہتمام کرنا اوراس رات عبادت وتلاوت اور ذکر ونوافل میں بسر کرنا نہ صرف احادیث نبویہ سے ثابت ہے؛ بلکہ اسلاف کا طریقہ ہے،مخالفت کرنے اور بدعت قرار دینے والےلوگ ہٹ دھرم اورنفس پرست ہیں۔

غیرشرعی اعمال سے اجتناب کریں:

شب براءت کے موقع پر کچھ وضع کردہ رسمیں مسلمانوں میں عام ہیں یا کچھ مفاد پرست لوگوں نے اپنے مفاد کے لیےان کوعام کررکھا ہے،ان میں سے حضرت اویس قرنیؒ کے نام پرمختلف قسم کا حلوہ بنا کرنذرونیاز کرنا ہے،جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں محض ایک بدعت ہے۔اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ اس رات مُردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں،لہذا گھروں کو لیپنے پوتنے اور صاف ستھرا کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔یہ بھی محض خرافات ہے،نظافت وصفائی تو اسلام کا اہم حصہ ہے، گھروں کو یوں بھی صاف ستھرا رکھنا پسندیدہ عمل ہے،کسی خاص موقع پرثواب جان کرکرنا ہی بدعت ہے۔اورحلوہ بنانا بھی ممنوع نہیں،روز بنا کرکھا سکتے ہیں،کھلا سکتے ہیں؛مگرشب براءت کومتعین کرکے ہی بنانا اوراس رات کے معمولات کا ایک حصہ سمجھنا، یہی بدعت ہے۔اسی طرح شب براءت کو پٹاخے پھوڑنا، چراغاں کرنا درحقیقت ہندوؤں کےتہوار دیوالی کی نقل ہےاورمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ میں داخل ہے،روافض نے جب کہ ان کی زمین داری تھی ایک خاص حکمت کے پیشِ نظراس کو

جاری کیا تھا، اسی دن کسی اہم صحابی کی وفات ہوئی تھی، جن سے روافض کو بغض شدید ہے تو ان کی موت پر خوشی مناتے ہیں۔

ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ شب براءت جیسی مہتم بالشان رات کا اجر وثواب غفلت شعاری اور بدعات وخرافات کے باعث ہم سے فوت نہ ہو جائے، اس رات میں دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔

اس مبارک رات میں آنحضور ﷺ کا بقیع الغرقد (جو مدینہ منورہ کا قبرستان ہے) میں جانا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے؛ لہذا اس رات میں قبرستان جا کر مُردوں کو ایصال ثواب کرنا اور اپنی موت کو اور آخرت کو یاد کرنا ایک مستحب عمل ہے، بزرگانِ دین سے بھی قبرستان جانا ثابت ہے۔

لیکن آج کل جو صورت حال بن چکی ہے کہ قبرستان میں قبروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں، پھول چڑھائے جاتے ہیں، اور جھنڈ بنا کر رات بھر آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اسی طرح مساجد میں ''رات جگے'' کا اہتمام ہوتا ہے، شربت، چائے وغیرہ کی سبیلیں لگتی ہیں، شور وغل ہوتا ہے، یہ سب اعمال وحرکات غیر شرعی اور لایعنی بن جاتی ہیں۔ اصل مقصد ہے کہ اپنے اپنے طور پر لوگ عبادت کریں، تلاوت کریں، دعائیں کریں، اگر غیر اعلانیہ طور پر از خود مساجد میں لوگوں کا اجتماع ہو جاتا ہے تو وہ قابل گرفت ہرگز نہیں، الگ سے اہتمام کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص ۱۶ کا)

علامہ آلوسیؒ تفسیر ''روح المعانی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی شروع ہو گئیں، پہلے دن ان سب لوگوں کے چہروں زرد پڑ گئے، جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہو جایا کرتا ہے، دوسرے دن سب کے چہرے سرخ ہو گئے جو خوف کا دوسرا درجہ ہے، اور تیسرے روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے، یہ خوف ودہشت کا وہ آخری درجہ ہے جس کے بعد موت ہی کا نمبر آتا ہے۔ ان تین دنوں کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور رات کے وقت ایک خوفناک آواز نے ہلاک کر دیا؛ چنانچہ قرآن عزیز میں ہے: ﴿فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔

اس طرح یہ ظالم اور سرکش قوم اپنے انجام کو پہونچی۔ اعاذنا اللہ منہا

دوسری اور آخری قسط

بہترین عورت

حدیث رسول کے آئینے میں

مولانا قمر الحسن قاسمی مہراج گنجی
استاذ (شعبہ عربی) مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد شہر اعظم گڑھ

شوہر کی عدم موجودگی میں عصمت و مال کی حفاظت

اب آیئے آخری ٹکڑے پر نظر ڈالتے ہیں:

تَحۡفَظُ غَیۡبَتَکَ فِیۡ نَفۡسِهَا وَمَالِکَ.

''تمہاری غیر موجودگی میں اپنی ذات کی اور تمہارے مال کی حفاظت کرے۔''

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کا یہ آخری جز ہے، جس میں آقاؐ نے اپنی امت کی خاتون کو دنیا و آخرت میں بلند مقام پر فائز ہونے کے لئے، گھر خاندان میں مثالی خاتون بننے کے لئے ایک مؤثر نسخہ تجویز فرمایا ہے، کہ ایک مومنہ صالحہ خاتون کا اخلاقی، معاشرتی اور اسلامی کردار یہ ہونا چاہئے کہ اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی بھرپور نگہداشت کرے، شوہر کی اجازت کے بغیر نہ اپنا قدم باہر نکالے، نہ دوسرے اجنبی مرد کے قدم کو اندر داخل ہونے دے۔

شوہر کے گھر کی چہار دیواری اس کی دار السلطنت ہے، وہ وہاں کی ملکہ ہے، اس کو پورے وقار، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے حدود مملکت میں رہنا چاہئے، اس کے سرتاج کی غیر موجودگی میں اگر کوئی ایسا شخص جس کے دل میں مرض ہے، جو خواہش کا پجاری اور ہوا پرست ہے اس کے دروازے پر دستک دے تو ارشاد ربانی **فلا تخضعن بالقول** پر عمل کرتے ہوئے اس کو اپنی آواز میں کرختگی پیدا کر کے کڑک دار آواز سے پوچھے کون؟ تا کہ اس لہجے ہی سے اس کی ابھری ہوئی خواہش وہیں دب جائے، بلکہ مر جائے اور وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ یہی معاملہ اجنبی فون کرنے والوں

کے ساتھ کرنا چاہئے تا کہ اس کا حوصلہ پست ہوجائے اور دوبارہ فون کرنے کی جرأت نہ کرے۔

لیکن آج ہمارے گھروں میں اسلامی بہنوں کا معاملہ ارشاد ربانی اور ارشادِ نبویؐ کے بالکل خلاف ہے، بے حجابانہ گھر سے باہر نکلنا یا ایسے پرکشش حجاب میں نکلنا جو جاذب نظر ہو، اب حجاب بھی ایسے کپڑے کا آنے لگا جو پورے جسم کو چھپاتا ہے لیکن مخصوص اعضاء کو تو بہ شکن بنا کر پیش کرتا ہے، اس پر ایسی فٹنگ ہوتی ہے کہ اگر کسی تائب من الذنب کی نگاہ غلط پڑ جائے تو توبہ توڑے بغیر نہ رہ پائے۔ **الامان الحفیظ.**

حدیث میں ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنے چیلوں کو تکاتا اور جھنکاتا ہے، ایک تو لعنت کا کام یہی ہوا قدم باہر نکالنا، دوسرا اجنبی مردوں سے چہک چہک کر لچک دار آواز میں بات کرنا جیسے کوئی اپنا چہیتا عزیز ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی قابل لعنت حرکتوں سے پوری امت کی حفاظت فرمائے۔

حدیث نبوی کی بنیاد پر ہمارے اسلاف کا یہ عمل رہا ہے کسی کے وہاں جاتے اگر گھر میں کوئی مرد نہ ہوتا تو واپس چلے آتے، پھر جاتے، ملاقات نہ ہوتی تو لوٹ آتے۔ مرد کی غیر موجودگی میں اس کی گھر والی سے محو گفتگو نہ ہوتے۔ جناب تمیم بن سلمہؒ بیان کرتے ہیں:

> ''حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت علیؓ کے گھر کسی کام سے آئے، مگر حضرت علیؓ کو گھر میں موجود نہ پایا تو واپس چلے گئے، دوبارہ آئے تو حضرت علیؓ پھر بھی موجود نہ تھے، لہٰذا واپس تشریف لے گئے، اس طرح انھوں نے دو یا تین پھیرے لگائے، جب حضرت علیؓ تشریف لائے تو انھوں نے کہا: جب تمہیں فاطمہؓ سے کام تھا تو تم میرے گھر کیوں نہیں گئے؟ یعنی تم اپنی ضرورت کی چیز فاطمہ سے طلب کر لیتے۔ اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: ہمیں عورتوں کے پاس ان کے خاوند کی اجازت کے بغیر جانے سے منع کیا گیا ہے۔'' (مثالی خاتون ص ۳۵)

یہ اس مبارک عہد کی بات ہے جب مرد حضرات غیر عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی غیر موجودگی میں جانے سے حیاء کرتے تھے۔ عہد حاضر میں جو حالات ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ آج اجنبی مرد گھر والے کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والیوں کے پاس بڑی رغبت سے جاتے ہیں، اس طرز عمل کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل سے حیاء اور اللہ کا خوف ختم ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عورت کو اپنی ذات کی حفاظت کرنے اور اجنبی مردوں کی

دسترس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے، اسی طرح اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی ذات کی حفاظت کے ساتھ مال کی نگہداشت کو لازم پکڑے، مال کی حفاظت یہ ہے کہ شوہر کے منشاء کے مطابق اسے جائز مواقع میں استعمال کرے، ناجائز کاموں میں اسراف اور فضول خرچی سے پورے طور پر بچے۔

ماضی میں ہماری اسلامی بہنیں ایسی گذری ہیں جنھوں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں اپنے پیکر کو ڈھالتے ہوئے آنے والی نسلوں کو عملی پیغام دے گئیں، جس زمانے میں جو بھی خاتون اپنے آپ کو تعلیمات نبویؐ کے زیور سے آراستہ کرے گی، وہ اپنے کوکھ سے ربیعۃ الرائے، امام شافعی، اور عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ جیسی عظیم سپوتوں کو جنم دے سکتی ہے جو ایک طرف اگر علم کے پہاڑ تھے تو دوسری طرف چلتے پھرتے قرآن وحدیث تھے۔یعنی قرآن وسنت کی عملی تفسیر تھے۔ان کے تقویٰ وطہارت اور پاکیزگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے، ان سے امت کے ایک بڑے طبقے کو فیض پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔

تاریخ نے اپنے سینے میں بعض ان مقدس ہستیوں کا تذکرہ محفوظ کر رکھا ہے جنھوں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی ذات اور اس کے مال کی محافظ وامین خاتون عورتوں میں بہترین عورت ہے۔'' کو اپنے سینے سے لگائے رکھا بلکہ سراپا عمل بن گئیں۔

حفاظت مال کی بے نظیر مثال

تاریخ کے جھروکے سے اسی طرح کا ایک واقعہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ایک صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ابھی آپ کی تربیت میں نشو ونما پانے والے پاکباز لوگوں کی ایک جماعت اس عالم میں موجود تھی۔آپ کے پاکیزہ شہر مدینۃ النبیؐ میں ایک قبیلہ بنی تمیم بن جراح کا ایک نوجوان غلام ابوعبدالرحمٰن فروخ نے اپنی شریک حیات کے ساتھ زندگی کے کچھ ہی خوشگوار لمحات گزارے تھے کہ انھیں خراسان کی مہم میں جانا پڑا، اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آسکے اور ان کی بیوی نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش تھیں۔ چلتے ہوئے انھوں نے اپنی بیوی کو تیس ہزار اشرفیاں

نقد اور ان کے شکم میں ایک امانت چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ ان کے روانہ ہونے کے کچھ دنوں بعد شکم مادر میں پرورش پانے والی یہ امانت (نطفہ) ایک ہونہار بچے کی شکل میں پیدا ہوا، اس کا نام ربیعۃ الرائے رکھا گیا۔ ماں نے اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی ذات کی حفاظت کے ساتھ شوہر کے سارے اندوختہ کو جو تیس ہزار اشرفی کی شکل میں تھا، بچے کو لائق فائق بنانے میں صرف کر دیا، بچہ خود نہایت ذہین، طباع، اور شائق تھا، صحابہ کرام میں انس بن مالک اور صائب بن یزید کی صحبت پائی۔ اور کبار تابعین میں محمد یحییٰ، سعید بن المسیب، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ جیسے محدثین سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس لئے تعلیمی مراحل بہت جلدی اور آسانی سے طے ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آغاز شباب ہی میں وہ جملہ علوم میں کامل ہوگیا۔ ۲۶-۲۷ سال کی عمر میں اس کا شہرہ دور تک پھیل گیا۔ اور اس کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ صاحب درس محدث بن گیا۔ مؤرخ ان کے حلقۂ درس کو جب سر اٹھا کر دیکھتا ہے، تو امام دار الہجرت امام مالک، یحییٰ انصاری، امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ کو زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہوا پاتا ہے۔

یہ اس خاتون کی رہین منت ہے جس نے فرمان رسولؐ: **تَحْفَظُ غَيْبَتَكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ.** پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو دکھلا گئی کہ ایک عورت گھر کی چہار دیواری میں رہتے ہوئے بھی کتنا اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ آفریں صد آفریں ام ربیعۃ الرائے کو۔

تقریباً ۲۷ سال کے بعد فروخ واپس لوٹے تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ربیعہ اپنی عمر کی ۲۶ بہاریں گزار کر ستائیسویں میں قدم رکھ چکے تھے۔ باپ بیٹے ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ گھر پہنچ کر فروخ نے دروازہ کھٹکھٹایا، ربیعہ باہر نکلے تو دروازے پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے، اور کہا دشمنِ خدا! تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے۔ فروخ نے جواب دیا، دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے، دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی کہ باہم دست وگریباں ہوگئے، یہ شور ہنگامہ سُن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہوگئے، یہاں آ کر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے، ربیعہ فروخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھ کو حاکم شہر کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا، فروخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے، اتنے میں خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ پہنچ گئے اور فروخ سے کہا: بڑے میاں! آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جایئے، اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا، کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں، میرا نام فروخ ہے اور یہ میرا گھر ہے۔ ان کی آواز سن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں اور

انھیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے باپ ہیں اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمہارا فرزند ہے، جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد فروخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں۔ بیوی کل روپئے بیٹے کی تعلیم میں صرف کر چکی تھیں۔ جواب دیا ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے۔ روپیہ حفاظت سے دفن ہے۔ اطمینان سے نکالوں گی، اس وقت ربیعہ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی، مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس قائم تھا۔ جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم، عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے۔ ربیعہ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے۔ ان کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجد نبویؐ میں جا کر نماز پڑھ آؤ، فروخ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے، امام مالک، حسن بن زید، ابن ابوعلی لہبی، اور مساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفاء اور اکابر حلقۂ درس میں شریک ہیں، فروخ یہ ہجوم دیکھ کر قریب چلے گئے، لوگوں نے راستہ دے دیا، ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا، فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، انھوں نے بتایا، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ یہ سن کر وفور مسرت میں بول اٹھے، خدا نے میرے لڑکے کو یہ رتبہ عطا کیا، اور گھر جا کر بیوی سے کہا میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحب علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا، شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ بیٹے کی یہ عظمت وشان یا تیس ہزار اشرفیاں؟ فروخ نے جواب دیا، خدا کی قسم لڑکے کی عظمت وشان، بیوی نے کہا تو پھر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے تمہاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کر دی۔ فروخ نے کہا خدا کی قسم ٹھکانے لگی۔ (ماخوذ: سیر الصحابہ ج ۷، ص ۱۳۵)

یہ ہے ماضی میں ہماری اسلامی بہنوں کے کارنامے جو سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آج بھی نبی کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل کا جذبہ ہماری اسلامی بہنوں میں بیدار ہو جائے تو تاریخ اس طرح کے واقعات دہرا سکتی ہے۔

☆☆☆

اُمّیوں کی خداداد صلاحیتیں

مولانا سلمان احمد اعظمی قاسمی، مقیم حال بھیونڈی

مضمون نگار حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کے خاص شاگرد اور صاحب ذوق عالم ہیں، مطالعہ اور لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق ہے، ایک عرصہ تک درس وتدریس سے وابستگی کے بعد گھریلو حالات نے حصول معاش کے چکر میں بھیونڈی پہونچا دیا، جو ہم جیسے لوگوں کیلئے سوہان روح ہے، ہماری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے ایسے احوال پیدا کردے کہ وہ دوبارہ تعلیم وتعلم کی وادی میں قدم رکھیں اور اپنے فیضان علمی سے طلبائے دین کو فیضیاب کریں، ان کے اس مضمون کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، کہ اسے دیکھ کر بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم کی جستجو پیدا ہو۔

حضور اکرم ﷺ جس عہد اور جس خطے میں مبعوث ہوئے تھے، اس میں بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں کے باوجود کچھ ایسے خصائص وامتیازات تھے، جو سارے عالم میں کمیاب تھے، اہل عرب کے ان اوصاف کو دیکھ کر یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ ازل سے ہی اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی (ﷺ) کی بعثت کیلئے منتخب فرمالیا تھا، اختصار کے ساتھ ہم اس کو لکھ رہے ہیں۔

(۱) عرب قوم کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فاسد تعلیمات سے پاک تھے، اور ہر قسم کی فلسفیانہ بحثوں اور عجمیانہ مُو شگافیوں سے ان کے دل ودماغ نا آشنا تھے، اسی طرح کسی بھی مذہب پر وہ عامل نہ تھے، مجوسیت اور عیسائیت سے وہ گھرے ہوئے تھے، یہودیت ان کے درمیان تھی لیکن ان کی نگاہِ التفات کسی طرف نہ اٹھتی تھی۔

(۲) ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ سراپا جہد وعمل تھے، کسی بھی بات پر یقین کر لینے کے بعد وہ اسے کرگذرنے کے عادی تھے، قیل وقال، چون وچرا ان کا شیوہ نہ تھا، عجمی خیال آرائی وتخیل پسندی کا ان کے پاس گذر نہ تھا۔

(۳) ان کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ دل کے قوی اور حق گو تھے، تن کے شجاع اور پُر جوش وحوصلہ مند تھے، جو ان کے دل میں ہوتا تھا، زبان سے اسی کا اظہار کیا کرتے تھے، منافقت کا

ان کے یہاں تصور نہ تھا، دوست سے محبت، دشمن سے کھلم کھلا عداوت کو وہ پسند کرتے تھے، اپنی بات منوانے کیلئے جان کا گنوا دینا ان کیلئے آسان تھا، جس بات کو حق سمجھتے، اس کی اشاعت وتبلیغ کیلئے بر وبحر، ویرانے اور آبادی ہر جگہ کا چکر لگانے سے وہ دریغ نہ کرتے تھے۔

(۴) ان کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت خوددار تھے، چونکہ وہ آغازِ عالم سے لے کر بعثت نبوی ﷺ تک کسی قوم کے غلام ومحکوم نہ بنے تھے، ایران وروما کی عظیم سلطنتیں انھیں اپنے ساتھ ملانے پر کامیاب نہ ہوسکی تھیں، اس لئے غلامی ان کو برداشت نہ تھی، وہ اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کرنا پسند نہ کرتے تھے، اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے بیسوں لڑائیاں انھوں نے لڑی ہوں گی۔

(۵) ان کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ عقل ودماغ کے بادشاہ تھے، ان کی شاعری، ان کے خطباء کی تقریروں اور فصحاء عرب کے مقولوں سے ان کی عقل ودانش کا اندازہ ہوتا ہے، عقل حیران ہوجاتی ہے کہ بغیر کسی ظاہری تعلیم کے یہ لعل وگہر کہاں سے ابل رہے ہیں،

(۶) ان کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا حافظہ نہایت تیز تھا، لکھنے پڑھنے سے وہ عاری ضرور تھے، لیکن ان کی قوت یادداشت نے قلم وقرطاس سے ان کو بے نیاز کر دیا تھا، بڑے بڑے قصائد وہ کہتے اور اسے برزبان رکھتے تھے، انسانوں سے گذر کر گھوڑوں تک کے نسب نامے ان کے ذہن میں رہا کرتے تھے، اس وصف میں ان کا کوئی شریک نہ تھا، اور نہ ہے۔

(۷) ان کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت فیاض تھے، مہمان نوازی ان کا خاص وصف تھا، اپنی شہرت وناموری کیلئے اونٹوں کو ذبح کر دینا ان کیلئے بہت سہل تھا، بڑی بڑی رقمیں دوستوں کی دعوت ومدارات پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

(۸) ان کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے دنیا کے بہترین مقام پر تھے، وہ ہر جانب پھیلنے کی پوری قدرت رکھتے تھے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، تیسری طرف یورپ واقع ہے، وہ عرب سے نکل کر عراق ہوتے ہوئے ایران، افغانستان اور ہندوستان تک جاسکتے تھے، شام سے گزر کر مصر، افریقہ، الجزائر، مراکش اور اسپین تک پہونچ سکتے تھے، بحری راستے سے جزائر افریقہ، جزائر ہند اور چین تک کا سفر ان کے لئے ممکن تھا، ان سب خصوصیتوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔

یہ خصوصیات وامتیازات اہل عرب میں اتفاقاً جمع نہیں ہوگئے، بلکہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت

اور دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ کیلیئے اس قوم کو پوری طرح تیار کیا گیا تھا،اور کسی بھی تحریک کی کامیابی کیلیئے جو اوصاف ضروری ہیں ، ان سے باشندگان عرب پوری طرح لیس تھے، چنانچہ ایسا ہی ہوا ، انھوں نے اپنی ناخواندگی کے باعث اپنے امی رسول کی صاف اور واضح باتوں پر بجان ودل لبیک کہا، اپنے کردار کے ذریعہ دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا، اپنی شجاعت وبسالت کا سہارا لیکر، اور اپنے جائے وقوع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے دور دراز ملکوں تک اسلامی تعلیمات کو پھیلا دیا، اور جن لوگوں نے بھی اس کے سامنے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی ، انھیں ہمیشہ ہمیش کیلیئے کیفر کردار تک پہونچا دیا، اپنی خودداری کے باعث بڑے بڑے سلاطین عجم کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، اور ان کے روبرو بے باکانہ باتیں کرتے تھے، اپنے دماغ وعقل کا استعمال کر کے سیاست اور انتظام سلطنت کے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، اور دنیا کو جہاں بانی کے اصول سمجھائے ، اپنی سخاوت وفیاضی کی وجہ سے اسلام کی تعلیم کے مطابق زکوٰۃ وصدقات اور جہاد کے راستہ میں بے انتہاء مال لٹائے ، اور اپنے قوت حافظہ کی مدد سے دین کی چھوٹی چھوٹی باتیں رسول اللہ ﷺ کے افعال، اور طریقوں کو بہت سلیقہ سے یاد رکھا، اور اسے بغیر کسی تحریف وتبدیلی کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

اسباب ظاہر کے لحاظ سے اسی قوم وملک کی صلاحیت واستعداد اور اس کے جہد وعمل کا واضح اثر یہ ہے کہ آج تک رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ، بلکہ سیرت مبارکہ کی تمام جزئیات ایک ایک کر کے نہایت روشن اور صاف ستھری شکل میں دنیا میں موجود ہیں، اسی طرح اسلامی تعلیمات واحکام کا ہر باب بلکہ ہر مسئلہ واضح اور نمایاں ہے۔

یہی وہ حضرات ہیں جنھوں نے بارگاہ خداوندی سے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں) کی بشارت سنی، اور وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (جولوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں، وہ کافروں کے مقابلہ میں زورآور ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو انھیں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں، ان کی نشانی سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہے) کا معزز خطاب پایا۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خودکشی اسلام کی نظر میں

مولانا عبد العظیم صاحب ناظم مدرسہ ہذا

ارشادِ ربانی ہے: وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (سورہ نساء:۲۹)
اور خودکشی نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت بڑا مہربان ہے۔ (تفسیر مدارک، ج:۱، ص:۵۹۶)

خودکشی کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ بھی نہیں۔
آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے جیسے اپنے آپ کو ہلاک کیا قیامت تک اسی انداز میں ہلاک ہوتا رہے گا، مثلاً اگر کسی نے خود کو آگ سے جلالیا یا پہاڑ سے چھلانگ لگائی یا زہر وغیرہ کھالیا تو اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کو قیامت تک زندہ کرتا رہے گا اور وہ مرتا رہے گا۔ (بخاری و مسلم)

یہ تو عالم برزخ کا عذاب ہے، پھر قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو جس عذاب میں چاہے مبتلا فرمائے۔

خودکشی کے اسباب کیا ہیں؟

غور وفکر کرنے پر خودکشی کے چند اسباب سامنے آتے ہیں۔

(۱) غربت وافلاس اور قرض (۲) ظلم وستم (۳) ارادہ وعمل میں ناکامی (۴) بے راہ روی

اخبارات پر نظر دوڑایئے تو اندازہ ہوگا کہ خودکشی کے جتنے بھی واقعات دنیا میں رونما ہوتے ہیں عموماً اس کے یہی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، دنیا میں کتنے خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں اس کا ذکر مقصود نہیں، اصل تشویش کی بات یہ ہے یہ بیماری اب ہمارے مسلم معاشرے میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے، ایک مسلمان اور خودکشی کرلے، عقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتی، لیکن واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں سرعت کے ساتھ یہ چیز پھیل رہی ہے، اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو نہ جانے کتنے مسلمان جہنم کے ایندھن بنتے رہیں گے۔

عموماً اخبارات میں یہ خبر دیکھنے کوملتی ہے کہ فلاں شخص نے غربت وافلاس اور قرض کی وجہ سے خودکشی کرلی، یاشوہرعورت پرظلم کرتا ہے، مارتا پیٹتا ہے،عورت جب تنگ آجاتی ہےتو خودآگ لگالیتی ہے، زہرکھا کر ہمیشہ کیلئے موت کی نیندسوجاتی ہے، یاکبھی اس کے برعکس بیوی کی بے راہ روی اور جارحانہ رویے سے تنگ آکرشوہراس کوطلاق دیدیتا ہے یا خود ہی خودکشی کرلیتا ہے۔بعض دفعہ نوجوان بچے بچیاں امتحان میں ناکامی کی وجہ سے ٹرین کے نیچے آجانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، یا پھرامتحان عشق میں ناکامی ان کی خودکشی کا سبب بن جاتی ہے۔

بہرحال خودکشی کا جوبھی سبب ہو یہ حرام ہےاور جہنم میں جانے کا ایک راستہ ہے،اورخودکشی کرنے والا قابل رحم اور لائق ترس نہیں ہے، اگرایسا ہوتا تو اتنی سخت وعید کیونکرآتی ،اور جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی گردن کاٹ لینا بہادری ہےتو وہ غلط فہمی کا شکار ہیں، یہ تو بزدلی کا سب سےاعلیٰ درجہ ہے کہ یہ انسان جس کواللہ رب العزت نے اتنے بلندمقام پرفائز کیا ہے، ہرطرح کی صلاحیتوں سےنوازا، عقل وفہم کی دولت بے بہاعطافرمائی، ہرطرح کےاسباب بھی مہیافرمادیئے تاکہ انسان ہر پریشانی کا حل غوروفکر کے ذریعے نکالے،اوراگر پریشانیاں آرہی ہیں تواس کوصبر کےساتھ برداشت بھی کرے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کوختم کرنے کی کوشش بھی کرےاور ہمیشہ اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی رہے، دعائیں بھی کرتا رہےتو پریشانی خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہودیرسویروہ دورہوکررہے گی،حالات ہمشہ یکساں نہیں رہتے،اور بندہ اس پراجرکامستحق بھی ہوگا۔

مسلمان خودکشی کی طرف کیوں مائل ہورہے ہیں؟

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان خودکشی کی طرف کیوں مائل ہورہے ہیں جبکہ ان کے پاس اللہ کا کلام قرآن مجید ہے جو ہرمسائل کا حل ہے، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں، جن کی روشنی میں تمام مسائل حیات کوحل کیا جاسکتا ہے۔تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جب ٹی وی اورفلموں کا چلن ہواتو ہمارامعاشرہ اس سےاس قدرمتاثر ہوا کہ بے چون وچرااس کے ہرپروگرام کوقبول کرلیتا ہے، ہر تصویرکودل پرنقش کرلیتا ہےاور بہت سارےلوگ عملاً اس کی مشق کرنے لگتے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بندہ علم کی کمی اور آخرت کے انجام سے غافل ہوجاتا ہےتو انتہائی قدم اٹھاتا ہےاوراس کی ذہنی کیفیت اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ وہ کچھ غورکرے، نتیجتاً وہ جوفیصلہ کرلیتا ہےاس پرعمل

کر بیٹھتا ہے، حالانکہ اگر وہ غور وفکر کرتا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا خوفناک عذاب اس کے پیش نظر ہوتا تو ایسا کبھی نہیں کرتا خواہ وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دیدیتا، یا اس کی بوٹیاں تک اس کے جسم سے الگ کردی جاتیں پھر بھی وہ یہ قدم کبھی نہیں اٹھاتا۔

آج دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی کے واقعات سویڈن اور جاپان میں ہورہے ہیں، جبکہ دنیا میں یہ دو ایسے ملک ہیں جہاں ترقی کی شرح سب سے زیادہ ہے، سویڈن کے بارے میں تو مشہور ہے کہ وہ دنیا کی جنت ہے، وہاں پیدائش سے لیکر موت تک ہر شہری کو اتنی سہولیات دی جاتی ہیں کہ اگر وہ کبھی بھی کام نہ کرے تب بھی اسے کوئی پریشانی نہیں ہوسکتی، حکومت کی جانب سے مقررہ وظیفہ ملتا رہتا ہے، علاج وتعلیم سب فری ہے، اس کے باوجود سب سے زیادہ خودکشی کے واقعات سویڈن میں رونما ہوتے ہیں، آخر کیوں؟ اس لئے کہ ان کے سامنے آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں، جو کچھ ہے سب دنیا ہے، اسی لئے ذراسی پریشانی آتی ہے تو گھبرا جاتے ہیں اور خودکشی کرلینا ہی ان کو سب سے آسان معلوم ہوتا ہے اور خودکشی کرنے والوں میں اکثریت نئے شادی شدہ جوڑوں کی ہوتی ہے، چونکہ یہ ہمیشہ آزادانہ زندگی گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور شادی کے بعد جو مختلف قسم کی پابندیاں سامنے آتی ہیں تو ان کے لئے اس کو سہنا اور برداشت کرنا دشوار ہوجاتا ہے، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے دنیا ہی سب کچھ ہے، دنیا کی محبت ان کے رگ وریشے میں رچی بسی رہتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: دنیا کافروں کے لئے جنت ہے۔ تو سچ مچ یہ دنیا ان کے لئے جنت ہی ہے، اسی لئے وہ ذراسی پریشانی جھیل نہیں پاتے اور اپنی ہلاکت پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے پاس قرآن کریم ہے، تعلیمات نبوی کا خزانہ ہے، عقیدۂ آخرت ہے، مصائب وشدائد پر اللہ کی جانب سے وعدے اور بشارتیں ہیں، نیز خودکشی یا قتل پر سخت وعیدیں ہیں، اس لئے خودکشی کا تناسب اور قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بہت ہی کم ہے، لیکن پھر بھی مسلمانوں میں ایسے واقعات کا پیش آنا انتہائی افسوسناک امر ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

اعتکاف کی فضیلت واہمیت

(مولانا محمد احمد سکندر قاسمی،نوادہ،مبارک پور)
استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام (جامع مسجد) شہر اعظم گڑھ

رمضان المبارک کا مہینہ ایک عظیم اور مبارک مہینہ ہے۔صبر وخیر خواہی کا مہینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے دنوں کا روزہ فرض فرمایا ہے اور راتوں کی عبادت (تراویح) نفل قرار دی ہے۔ اس میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ لَیْـلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌمِنْ اَلْفِ شَھْرٍ شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ اور اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

قـال رسـولُ الله ﷺ تَـحَـرُّوْا لَیْـلَۃَ الْـقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ .رواہ البخاری (مشکوٰۃ باب لیلۃ القدر)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں معمول سے زیادہ محنت وریاضت کرتے تھے۔اور جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو اپنا تہہ بند کس لیتے ،محنت کے لئے تیار ہوجاتے ، رات کو بیدار رہتے اور گھر والوں کو جگاتے۔

عَنْ عائشۃَ قالت کَانَ رسولُ الله ﷺ یَجْتَھِدُ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِمالا یجتھد فی غیرہ .رواہ مسلم (حوالہ بالا)

شب قدر کی تلاش کے لئے رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف مشروع ہے۔ نبی کریم صلی ﷺ ہجرت کے بعد سے وفات تک شب قدر کی تلاش کے لئے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے۔آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ نے طریقۂ نبیؐ کے بقاء اور احیائے سنت کے واسطے اعتکاف فرمایا۔

عَنْ عائشةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اِعْتَکَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (مشکوۃ باب الاعتکاف)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی۔ پھر ان کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے اعتکاف فرمایا۔''

اعتکاف کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا نفس کو روکنا اور مسجد جماعت میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنے اور اقامت کرنے کا نام شریعت میں اعتکاف ہے۔

معتکف اللہ تعالیٰ کے قلعہ میں رہتا ہے۔ شیطان کے مکروفریب سے بچا رہتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے جب تک میری درخواست قبول نہ ہو، ٹلنے کا نہیں۔ معتکف گویا زبان حال سے کہتا ہے: اے میرے مولیٰ تیرے دروازے سے میں ٹلنے کا نہیں جب تک کہ تو مجھے بخشے گا نہیں، میرے سب مقاصد برلانے کا نہیں اور میرے غم دور کرنے کا نہیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اس کی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہو جائے۔ اور ساری مشغولیوں کے بدلے میں اسی کی پاک ذات کے ساتھ مشغول ہو جائے۔ اور اس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر ایسی طرح اس میں لگ جائے کہ خیالات وتفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر، اس کی محبت سما جائے۔ حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ انس کے بدلے اللہ کے ساتھ اُنس پیدا ہو جائے۔ (فضائل رمضان)

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کئی مہینہ غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اعتکاف تھا، جس اعتکاف میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن کریم کا نزول شروع ہو جائے۔ چنانچہ حامل وحی فرشتے جبرئیل علیہ السلام سورہ علق (سورہ اقراء) کی ابتدائی پانچ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ اور اس کا آخری عشرہ تھا۔ اور وہ رات شب قدر تھی۔ اس مناسبت سے اعتکاف کے لئے اخیر عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔ (ماخوذ من التوضیح الضروری)

بقیہ ص: ۳۳ پر

معتکف مدت اعتکاف میں رب کائنات کی عبادت کے لئے فارغ ہوتا ہے۔ چنانچہ صلوٰۃ مفروضہ کے انتظار میں، مجالس علم وذکر کی حاضری اور قرآن کریم کی تلاوت وقرأت میں اوقات گذارتا ہے۔ اور راتوں کو قیام کرتا ہے۔ اعتکاف کے ذریعہ معتکف کو شب قدر میں عبادت کی سعادت یقینی طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔

اعتکاف میں امور دنیا اور اس کے ہموم وتفکرات سے دل فارغ ہوتا ہے۔ مشکلات دنیا کے برداشت سے نفس کو آرام ہوتا ہے، مولائے حقیقی سبحانہ کی عبادت میں مشغولی ہوتی ہے۔ روح ونفس کی سستی ختم ہوتی ہے۔ ان کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ نہایت قرب الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے۔

صاحب التوضیح الضروری رقم طراز ہیں:

روحانی تربیت وترقی اور نفسانی قوتوں پر غلبہ کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملأ اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا ہے۔ اعتکاف بندۂ خدا سب سے کٹ کے، سب سے ہٹ کے اپنے مالک ومولیٰ کے آستانے پر اور گویا اس کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اس کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے اور رحیم وکریم مالک سے رحمت ومغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے، اسی حال میں اس کے دن گذرتے ہیں اور اسی حال میں اس کی راتیں۔''

معتکف کا قیام عبادت ہے، اعتکاف میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے، معتکف سوتے جاگتے خالی بیٹھے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے جن عبادات وحسنات سے معتکف رکا رہتا ہے، ان کا اجر بغیر کئے ملتا ہے۔ مثلاً کسی کا انتقال ہو گیا، جنازہ میں نہیں گیا، اگر باہر رہتا تو ضرور جاتا۔ کسی سے کسی کی پریشانی کی خبر سنی، اعتکاف کی وجہ سے جا نہیں پایا، باہر ہوتا تو اس کی خبر گیری کے لئے جاتا، مدد کے لئے جاتا۔ کسی کی بیماری کی خبر سنی، اعتکاف کی وجہ سے نہیں جا سکتا، باہر ہوتا تو ضرور عیادت کے لئے جاتا، تو جتنے عمل وہ کرتا اور اعتکاف کی وجہ سے وہ نہیں کر پا رہا ہے، اِن سب کا اجر وثواب معتکف کو ملتا ہے۔ مزید برآں معتکف گناہوں

سے محفوظ رہتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فِیْ الْمُعْتَکِفِ ھُوَ یَعْتَکِفُ الذُّنُوْبَ وَیُجْزیٰ لَہٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ کَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ کُلِّھَا (مشکوٰۃ باب الاعتکاف)

مذکورہ حدیث سے اعتکاف کا دوفائدہ معلوم ہوا، ایک اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت، دوسرے اعتکاف کی وجہ سے معتکف جن عبادات وحسنات سے رکا رہا بغیر کئے اُن کے اجر کا حصول۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اعتکاف کیا دین کی عبادت یقین کر کے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے تو اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (رواہ الدیلمی، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۴۷)

اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علیٰ الکفایہ ہے۔ اگر کسی بستی میں کوئی شخص اعتکاف نہ کرے تو ترکِ سنت کا وبال ہر عاقل بالغ مرد وعورت پر ہوگا، اور پوری بستی والے تارکِ سنت ہوں گے، اور اگر بستی وآبادی کی کسی ایک مسجد میں کوئی ایک آدمی اعتکاف کرے گا تو پوری بستی والوں کی طرف سے سنت کی ادائیگی ہوجائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کا اہتمام کیا جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرے تو اس کو دو حج اور دو عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (رواہ البیہقی، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۴۷)

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: وَمَنْ اِعْتَکَفَ یَوْماً اِبْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّارِ ثَلاثَ خَنَادِقَ، کُلُّ خَنْدَقٍ اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ الْخَافِقَیْنِ. رواہ الطبرانی و البیھقی (کتاب المسائل)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے ایک دن کا اعتکاف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرمادیتے ہیں، جن میں ہر خندق کی چوڑائی زمین وآسمان کے فاصلہ کے برابر ہے۔''

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی قربانی پر کس قدر عظیم نعمتوں کا وعدہ ہے اور اس کے کس قدر فوائد ہیں۔ اعتکاف کی اہمیت وفضیلت اور خصوصیات وفوائد کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کی خوب توجہ ورغبت ہو، کثیر تعداد میں لوگ اس عمل کو کریں، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، عام معاشرہ میں اعتکاف سے بے رغبتی ہے، سنت اعتکاف کی ادائیگی کی طرف رجحان بہت کم ہے۔

(بقیہ ص: ۴۴ پر)

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ

(وفات: ۱۰؍محرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ)

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ کو یہ خبر ملی کہ آج عصر مغرب کے درمیان استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے شیخ ومرشد عارف باللہ شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا، خبر سن کر بے ساختہ اناللہ وانا الیہ راجعون کی ربانی تسلی زبان پر جاری ہوئی۔ حضرت مولانا کی وفات کی خبر کوئی غیر متوقع چیز نہ تھی، ان کی عمر ہجری سال کے اعتبار سے نوے سال کے قریب تھی، گزشتہ دس سالوں سے مختلف امراض وعوارض نے انھیں گھیر رکھا تھا، ان سب کے باوجود جب یہ خبر سنی تو دل کی دنیا میں بالکل سناٹا چھا گیا، پورا وجود غم وحسرت کی تصویر بن کر رہ گیا۔ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد حضرت کی ذات میرے لئے ایک بڑا سہارا تھی جو اَب جاتا رہا۔

حضرت کا نام سب سے اس وقت کانوں میں پڑا جب حضرت آخری مرتبہ رجب ۱۴۱۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے، اس وقت میں قرآن کریم حفظ کررہا تھا، والد صاحب نوراللہ مرقدہ جنھیں حضرت سے بے حد عقیدت اور تعلق خاطر تھا استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے ہمراہ ملاقات کے لئے شیخ پور گئے تھے، اس کے بعد سے بار بار حضرت کا ذکر خیر سنتا رہا، جس سے دل میں عقیدت ومحبت کا تخم پرورش پاتا رہا۔ اس سفر کا ایک واقعہ حضرت مولانا نے والد صاحب کے تذکرے میں لکھا بھی ہے:

> ''ایک بار میں اور میرے مرحوم دوست حضرت حاجی عبدالرحمٰن صاحب خیرآبادی علیہ الرحمہ شیخ کی خدمت میں ان کے گاؤں شیخ پور میں حاضر تھے، حاجی صاحب مرحوم بھی بڑے صاحب دل انسان تھے، حضرت کی ایک ایک کیفیت سے متاثر ہوتے تھے، رات کا قیام وہیں تھا، صبح کو حضرت فجر کی نماز ہم لوگوں کے شدید اصرار پر پڑھانے کیلئے تیار ہوئے۔ غالباً دوسری رکعت میں سورہ

قیامہ کی تلاوت فرمائی، پہلی رکعت میں آواز بھرانی شروع ہوگئی، اور مقتدیوں کے دل سینے میں دھڑکنے لگے تھے، دوسری رکعت میں سورہ قیامہ کی تلاوت شروع کی تو تھوڑی دیر میں ہچکی بندھنے لگی اور جب کلا بل تحبون العاجلة پر پہونچے آواز بے قابو ہوگئی، اور سارے مقتدی رو پڑے، اس نماز میں ایسی حلاوت اور یکسوئی حاصل ہوئی کہ مدتوں اس کی یاد، دل میں لطف پیدا کرتی رہی، حاجی صاحب مرحوم اخیر اخیر تک اس دن کے کیف وحلاوت کا ذکر کرتے رہے۔''

اس سفر کے بعد حضرت ہندوستان نہ آسکے، اس لئے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا، اللہ کی مہربانی سے ۱۹۹۶ء میں حاضری کی صورت بن ہی گئی، حضرت کے داماد اور مشہور عالم وبزرگ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کے صاحبزادے مولانا حکیم محمد مظہر صاحب ہندوستان تشریف لائے، ان سے سفر پاکستان کی بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ میں ویزے کا نظم کردیتا ہوں آپ لوگ تشریف لائیے، وہ پاسپورٹ کی فوٹو کاپی لے گئے اور ویزے کا نظم بھی انھوں نے حسب وعدہ کردیا، ورنہ پاکستان کے ویزے کا حصول انتہائی دشوار اور مشکل امر ہے۔ استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی معیت میں یہ سفر ہوا، ۶؍دسمبر ۱۹۹۶ء بروز جمعہ کو پی اے آئی کی ایک پرواز سے دہلی سے کراچی پہونچے، کل پونے دو گھنٹے کا سفر تھا، کراچی ایرپورٹ پر عصر کی نماز ادا کی، نماز کے لئے ایک حصہ مخصوص ہے جس میں مسافرین اور ایرپورٹ کے ملازمین نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اور صاحبزادگان گرامی مولانا قاسم عبداللہ ومولانا شاہد عبداللہ صاحبان استقبال کے لئے موجود تھے، ان لوگوں کے ہمراہ ایرپورٹ سے روانہ ہوئے اور چند منٹ میں حضرت کے مدرسہ جامعہ حمادیہ پہونچ آئے جو ایرپورٹ سے چند کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔

پہلی ملاقات:

مدرسہ میں داخل ہوئے تو مغرب کی اذان ہورہی تھی، مشتاق نگاہیں اس ذات گرامی کو تلاش کررہی تھیں جس کی دید وزیارت کے شوق میں اتنا طویل سفر کیا گیا تھا، استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ نے اشارہ سے بتایا کہ دیکھو حضرت آرہے ہیں، پستہ قد، ہلکا بدن، داڑھی کے بال سفید، سر پر صافہ، گھیردار لمبا کرتا پہنے اور لنگی جو نصف ساق تک تھی، اس وقت حضرت اپنے گھر سے نماز کیلئے تشریف لارہے تھے، مصافحہ ومعانقہ کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت حضرت کی طبیعت قدرے ناساز تھی جس کی تفصیل انھوں نے بتائی، مغرب کی نماز کے بعد دیر تک بیٹھے رہے اور ہم لوگوں

کے احوال اور خیریت دریافت کرتے رہے، نماز کے حضرت کے پانچوں صاحبزادگان سے ملاقات ہوئی، جن کے نام بالترتیب یہ ہیں، مولانا راشد عبداللہ، مولانا شاہد عبداللہ، مولانا ناصر عبداللہ، مولانا قاسم عبداللہ اور مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحبان، ماشاء اللہ پانچوں عالم اور حافظ قرآن ہیں اور مدرسہ کے انتظامات کے ساتھ ساتھ تدریس سے بھی لگے ہوئے ہیں، بارك الله فی حیاتہم

ہم لوگ جس روز کراچی پہونچے تھے، اسی دن حضرت کے اہل قرابت میں سے کسی بچے نے بخاری شریف ختم کی تھی، اسی کی مناسبت سے عشاء بعد ایک تقریب تھی، حضرت کے ہمراہ ہم لوگ بھی تقریب میں حاضر ہوئے، باوجودیکہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی، مگر چند منٹ مجمع سے خطاب فرمایا، اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: قُلْ هَلْ یَسْتَوِیْ الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (آپ کہہ دیجئے کہ کیا اہل علم اور جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں) حضرت شیخ نے فرمایا کہ میری طبیعت اس لائق نہیں ہے کہ میں شرکت کروں، لیکن دعوت نامہ میں لکھا ہے کہ فلاں نے عالمیت کی سند حاصل کی جو مساوی ہے ایم، اے کے، اسی بات نے مجھے آنے اور کچھ بولنے پر مجبور کیا ہے، فرمایا کہ آخر کیا وجہ سے ہے کہ علماء احساس کمتری میں مبتلا ہیں، یہ ساری ڈگریاں (ایم، اے وغیرہ) یہ سب فن تو ہو سکتے ہیں انھیں علم نہیں کہا جا سکتا علم تو صرف وہی ہے جو دین وشریعت کا علم ہے۔ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه ' (تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے) اور إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) یہ سب سندیں کس کے لئے ہیں؟ ایسی عالی سندوں کے بعد ہم اس قدر مرعوب اور متاثر کیوں ہیں؟ یہ وعظ بڑا ہی مؤثر اور مفید تھا، از دل خیزد بر دل ریزد کا صحیح مصداق!

یہ حضرت شیخ کا پہلا بیان تھا، جو میں نے سنا، دل اس سے بہت متاثر ہوا، اس کے لفظ لفظ سے ان کی دلسوزی وخیر خواہی عیاں تھی۔ اس ایک ماہ کے قیام میں نے غور کیا کہ حضرت کے یہاں اللہ ورسول سے وفاداری سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے، آپ کی پوری زندگی اسی مرکز ومحور گردش کر رہی ہے۔ اس کے بعد شب وروز حضرت کی معیت رہتی اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے موقع ملتا رہا، ان کی جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی غیر معمولی تواضع وفنائیت تھی، ان کی نشست وبرخاست، گفتار وکردار، اقوال وافعال سب سے اس کا اظہار ہوتا تھا، کہیں سے یہ نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی غیر معمولی وصف کے حامل ہیں، حضرت ہم لوگوں کے پاس مہمان خانے میں آتے تو

بات چیت اور نشست و برخاست کا جو انداز ہوتا تھا اس سے ناواقف یہ سمجھتا کہ یہ شاگرد اور معتقد ہیں اور مولانا استاذ و شیخ، لاکھ اصرار کے باوجود حضرت اپنی اس متواضعانہ روش میں تبدیلی لانے کیلئے تیار نہ ہوتے، کیونکہ یہی ان کا فطری انداز تھا، اور یہ وہ بالکل فراموش کر چکے تھے کہ ان کی بھی کوئی حیثیت ہے۔ حضرت کا یہ وصف اس لئے بھی بہت اہم معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے پاکستان بالخصوص کراچی کے علماء کا جو ہٹو بچو والا انداز دیکھا اس سے یہ یکسر مختلف تھا، کراچی میں لنگی پہننے کا بالکل رواج نہیں ہے اور حضرت مستقل لنگی پہنتے تھے اور لنگی ہی جیسا ایک رومال سر پر ڈالے رہتے تھے، میں نے ایک روز پوچھ لیا کہ حضرت یہاں تو کوئی لنگی نہیں پہنتا آپ کیوں پہنتے ہیں تو جو جواب دیا وہ سننے کے لائق ہے: فرمایا کہ اس سے مسکنت ظاہر ہوتی ہے، اور مسکین ہونا اللہ کو بہت پسند ہے۔

حضرت بہترین حافظ قرآن تھے، کراچی حاضری کے وقت حضرت کی عمر ستر سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن قرآن کی تلاوت اور دور سنانے سے اشتغال اب بھی برقرار تھا، فجر کے بعد کئی کئی پارے سناتے، آپ کا قلب محبت الٰہی اور عشق نبوی سے معمور تھا، قلب میں رقت بہت تھی، قرآن سناتے وقت یا رسول اللہ کے ذکر مبارک کے وقت آنکھیں ڈبڈبا جاتیں تھیں، حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ جن کے قلب کا حال خود یہی تھا، حضرت کی اس کیفیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''سب سے پہلی جو بات دل میں بیٹھی وہ حضرت کی رقت قلب اور بات بات پر آنسوؤں کا چھلک پڑنا تھا۔ اللہ کا ذکر آیا اور آنکھیں برس پڑیں، رسول اللہ کا تذکرہ آیا اور دل بیتاب ہوا، اور یہ بے تابی آنکھوں کی راہ سے بہنے لگی۔ قرآن کریم کی تلاوت میں، نماز کے اندر رونے، اور گریہ وزاری کے تذکرے بزرگوں کے حالات میں پڑھے تو بہت تھے لیکن مشاہدہ بہت کم ہوا تھا، یہ حسرت، حضرت کو دیکھنے کے بعد پوری ہوئی، میں نے کراچی کے معمولات میں دیکھا کہ حضرت بعد نماز فجر بیٹھ جاتے تھے، اور قرآن کی تلاوت زبانی حفظ سے شروع فرماتے، ایک دو صاحب قرآن شریف کھول کر سنتے، قرآن کی تلاوت جاری ہے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، آواز قدرے متاثر ہو رہی ہے، کبھی اچھی خاصی گھٹ جاتی ہے، مگر نہ تلاوت کا تسلسل ٹوٹتا ہے، نہ آنکھوں کی روانی میں فرق آتا ہے۔ سننے والے بھی رونے لگتے دو دو تین تین پارے سناتے اور روتے رہتے، مجھے رہ رہ کر قرآن کریم کی آیت یاد آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ

تَرَی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (سورہ مائدہ:۸۳) جب وہ لوگ اس کلام کو جو رسول پر اتارا گیا ہے، سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں، کیونکہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہم کو گواہوں میں لکھ لیجئے۔

رسول اللہ کے احوال مبارکہ میں بار بار یہ بات پڑھنے میں آتی ہے کہ قرآن پڑھتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، ایک امتی کی آنکھوں کو اس طرح بہتے دیکھ کر رسول اکرم کی یاد بے ساختہ دل کو تڑپا جاتی تھی۔''

حضرت شیخ کے یہاں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ جب دعا کی درخواست کرتا تو فوراً اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے تھے، سنا ہے کہ ان کے شیخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجویؒ کا بھی یہی معمول تھا۔ حضرت دیر دیر تک ہاتھ اٹھائے دعا میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ سفر حج میں عشا کے بعد خدمت میں حاضر ہوا، حرم کی بالائی منزل پر دعا میں مشغول تھے، دعا کے بعد فرمایا کہ میں آپ اور آپ کے والد محترم کے لئے دعا کر رہا تھا۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔ ایک دو بار میں نے حضرت سے کچھ پریشانیوں کا ذکر کیا تو **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ** پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ ایک بار والد صاحب نے اختلاجِ قلب کی شکایت کی **یَاقَوِیُّ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ قَوِّنِیْ وَقَلْبِیْ** پڑھنے کو بتایا کہ دل پر ہاتھ رکھ کر اس کو سات مرتبہ پڑھیں، اس سے بہت نفع ہوا۔ اور والد صاحب کو ایک تسبیح دی جو ایسے پتھر کی بنی تھی جس پر انگلی پڑنے سے اختلاج قلب میں بڑی راحت رہتی ہے، والد مستقل اسی پر تسبیحات پڑھتے تھے، تواضع کا حال یہ تھا کہ میں نے کبھی کسی چھوٹے بڑے کو تم کہتے ہوئے نہیں، ہر ایک کو آپ کہہ کر خطاب کرتے ہوئے سنا۔ حضرت مولانا نے اپنے پوری زندگی دین وشریعت کی پاسداری اور علم دین کی نشر واشاعت میں کھپا دی، اللہ تعالیٰ نے آپ اصلاح امت کا بڑا کام لیا، حضرت شیخ اس لحاظ سے بڑے خوش قسمت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک وصالح اور فرمانبردار واطاعت گزار اولاد عطا فرمائی، آپ کے پانچوں صاحبزادے ماشاء اللہ عالم اور حافظ ہیں اور صاحبزادیاں بھی زیور علم سے آراستہ ہیں، آپ کے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں میں سے پچاس سے زائد حافظ قرآن ہیں۔ یہ حضرت شیخ کے خلوص اور حسن نیت کا ثمرہ کا ہے، جیسا کہ میں نے لکھا کہ آپ کی اصل فکر فکر آخرت تھی، تمام امور اسی محور پر چلتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے مفتی عاصم عبداللہ صاحب کہنے لگے کہ جب مکتبہ حمادیہ کو قائم کرنے کا ارادہ ہوا تو خیال ہوا اسے اپنی ملکیت

میں رکھا جائے اور معاش کا ایک ذریعہ ہو، ابا سے مشورہ لیا تو فرمانے لگے کہ بیٹا جیسے میں نے زندگی گزاردی ویسے تم لوگ بھی گزاردو اور اسے مدرسہ کی ملکیت میں رکھو، اور جو بھائی اس کی نگرانی اور انتظام کرے اس کی تنخواہ مقرر کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

سوانحی حالات:

''**آبائی وطن**: حضرت مولانا کا آبائی وطن ضلع غازیپور میں ایک گاؤں ہے جس کا نام شیخ پور ہے، غازی پور کی تحصیل سید پور سے بجانب مشرق، غازی پور شہر جانے کیلئے دو سڑکیں ہیں۔ایک شاہراہ عام ہے، جو سید پور کے بعد نند گنج ہوتی ہوئی غازیپور تک پہونچتی، یہ بنارس غازیپور کا معروف روڈ ہے، دوسری سڑک جو نسبتاً خستہ اور کمزور ہے، سید پور سے دو کلومیٹر پورب آکر دائیں جانب مڑ جاتی ہے، یہ راستہ بھی غازیپور تک آتا ہے، یہ غازی پور کچہری کے پاس نکلتا ہے۔اسی سڑک کے کنارے سید پور سے پندرہ سولہ کیلومیٹر کے فاصلے پر شیخ پور گاؤں ہے۔اس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی ہے، حضرت کا وطن اور جائے پیدائش یہی ہے۔'' (تذکرۂ شیخ ہالیجوی)

حضرت مولانا کا سال ولادت دارالعلوم دیوبند کی سند کے مطابق ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) ہے۔
حفظ قرآن کی تکمیل مدرسہ دینیہ غازی پور میں کی، اس کے بعد وہیں عربی تعلیم مولانا قاری عبید اللہ صاحب الہ آبادی سے حاصل کی، قاری صاحب کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ دینیہ چھوڑ کر یوسف پور چلے گئے تو مولانا بھی ان کے ساتھ وہیں چلے گئے، اور مشکوۃ شریف تک ان سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں شوال ۱۳۶۸ھ میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف پڑھی، شعبان ۱۳۶۹ھ میں فراغت حاصل کی۔ دس کتابوں کے ۵۰۰ نمبرات میں سے ۴۹۱ نمبر حاصل کرکے امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ نمبرات سے ذہانت وذکاوت اور علمی لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔ایک بار میں نے عرض کیا کہ آپ کے نمبرات بہت اچھے ہیں تو فرمایا کہ میں نے امتحان کے زمانہ میں پورے ایک ماہ تک متواتر جاگ کر تیاری کی تھی، آپ دوران درس حضرت مدنیؒ کی تقریر نوٹ کیا کرتے تھے، میں نے ان کو حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ کی مرتب کردہ حضرت مدنیؒ کی درس بخاری پیش کی تو فرمایا کہ درس بخاری کی چار کاپیاں میرے پاس موجود ہیں، معلوم نہیں اب وہ محفوظ ہیں یا نہیں۔
۱۹۵۴ء میں ہجرت کرکے کراچی چلے گئے، اور تلاش مرشد میں سلسلہ قادریہ کے نامور شیخ

مولانا تاج محمود امروٹی کے خلیفہ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی کی خدمت میں خانقاہ ہالیجی شریف پہونچے اور بیعت ہوئے، تقریباً سات سال تک شیخ کی خدمت حاضر ہوتے رہے اور خلعت خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت مولانا مرحوم نے کراچی میں ایک ادارہ جامعہ حمادیہ سے قائم کیا، جو ایک مکتب سے شروع ہوا اور آج پاکستان کے ممتاز علمی اداروں میں سے ایک ہے، جہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے۔ کراچی کے ابتدائی ایام حضرت کے لئے بڑی ابتلاء وآزمائش کے دن تھے، خود جامعہ حمادیہ کے قیام کی ایک داستان ہے کہ وہ کن حالات میں قائم ہوا، اور کن کن ادوار سے گزر کر یہاں تک پہونچا، امید کہ حضرت کے گرامی قدر صاحبزادگان اور ان کے قریبی متوسلین اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

اس دور قحط الرجال میں حضرت مولانا جیسی شخصیت کا اٹھ جانا ایک زبردست خسارہ ہے، استاذ محترم کے انتقال کے بعد جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو فورا آپ سے رابطہ کرتا، دعا کی درخواست کرتا، آپ کے تسلی آمیز کلمات میرے بڑا سہارا ہوتے تھے، جب ہم دور افتادگان کا یہ حال ہے تو ظاہر ہے کہ آپ کے صاحبزادگان واہل قرابت اور متوسلین کا کیا حال ہوگا اللہ تعالیٰ تمام پسماندگان واہل تعلق کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اس کا اجر جزیل عطا فرمائیں اور حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص: ۳۷ کا)

بڑی بڑی آبادی وبستی میں کوئی ایک آدمی معتکف کسی مسجد میں نظر آتا ہے، اعتکاف بوڑھوں کا ہوگیا ہے، اس بے رغبتی اور عدم توجہی کو ختم کرکے تمام لوگوں (مرد وعورت) خاص کر نوجوانوں کو اس عبادت (اعتکاف) کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اعتکاف کے مسائل وآداب معلوم کریں۔ مرد مسجدوں میں اعتکاف کریں اور عورتیں گھر کی مسجد، نماز کی جگہ اعتکاف کریں۔ یہ اعتکاف ان کے لئے بے شمار گناہوں سے بچنے کا ذریعہ بنے گا اور دینی تربیت کا موقع میسر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ اس عظیم عمل وسنت کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ تحفیظ القرآن

تعارف وخدمات

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی ناظم مدرسہ ہٰذا

مدرسہ تحفیظ القرآن ایک قابل اعتماد دینی ادارہ ہے، جس کی ابتداء ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء میں ہوئی۔ ابتداء ہی سے یہ ادارہ قوم وملت کی بےلوث خدمت انجام دے رہا ہے، اس مدرسہ سے متعلق مختلف شعبۂ جات کام کررہے ہیں۔

شعبۂ حفظ: پچھلے کئی سالوں سے حفظ کی دو درسگاہیں قائم ہیں، اور تقریباً ۴۰/ بچے حفظ قرآن کریم میں مشغول ہیں، نیز اب تک ۲۹/ بچے حفظ قرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔ الحمدللہ کئی بچے ایک دونشستوں میں پورا قرآن سنا چکے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے۔ آئندہ سال شوال میں حسب ضرورت ایک یا دو درسگاہوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

شعبۂ پرائمری: یہ شعبہ اپنی افادیت اور معنویت کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، بچوں کے ذہن کو مکمل اسلامی رنگ میں ڈھالنا نیز عصری علوم سے بھی آگاہ کرنا حددرجہ ضروری ہے اس لئے اس میں اعلیٰ معیاری کتابیں داخل درس ہیں، نیز قرآن کریم ونورانی قاعدہ کی تعلیم لازمی ہے، البتہ موجودہ حالات کے پیش نظر پرائمری درجہ چہارم وپنجم نیز حفظ وعربی کے بچوں کیلئے کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے، جس کا آغاز ان شاء اللہ سالِ آئندہ سے ہوگا۔ اسی طرح پرائمری کے بچوں کو صبح کلمات اسلام، مسنون دعائیں، احادیث اور دیگر آداب اساتذہ کی نگرانی میں سکھلائے جاتے ہیں اور نماز کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔

شعبۂ عربی وفارسی: اس شعبہ کا قیام اسی سال عمل میں آیا ہے، چند بچوں سے شروعات کردی گئی ہے، جس میں تین باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں تعلیمی سلسلہ جاری ہے، نیز آئندہ اس شعبہ کو مزید وسعت دی جائے گی، ارادہ ہے کہ اگلے سال عربی سوم تک کے درجات قائم کئے

جائیں گے۔

شعبۂ نسواں: شعبۂ نسواں (معہد خدیجۃ الکبریٰ) اپنی دوسالہ مدت پوری کر چکا ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ اس شعبہ میں پرائمری، حفظ اور عربی اول تک تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔ یہ غیر اقامتی ادارہ ہے، مضافات کی بچیوں کی آمدورفت کیلئے گاڑی کا نظم ہے، اس ادارے کے قیام سے عربی تعلیم کا ایک بڑا خلا پُر ہو گیا، اللہ اسے مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

مکاتیب: مدرسہ ہذا اطراف وجوانب میں مسلمانوں کی حالت زار کے پیش نظر جگہ جگہ مکاتیب قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے، لیکن اسباب ووسائل کی قلت سے یہ منصوبہ شرمندۂ عمل نہیں ہو پا رہا ہے، پھر بلیا کلیان پور میں مدرسہ تعلیم الاسلام کے نام سے ایک قدیم مکتب کا الحاق کیا گیا ہے جس میں مستقل محنت جاری ہے۔ دوسرا مکتب سکھٹی گاؤں میں بیت المجید سے ملحق ہے، جس میں اطفال کے بچے زیر تعلیم ہیں، آئندہ چند جگہوں پر مکاتیب کے قیام کا ارادہ ہے۔ ایک ادارہ مدرسہ عائشہ کے نام سے بمہور میں چل رہا تھا، دوسال قبل انتہائی نامساعد حالات میں اس ادارے کا الحاق کیا گیا تھا، لیکن حالات مستقل ناسازگار رہے، اور اب ایک صاحب اس ادارے کی دیکھ بھال کے لئے مل گئے ہیں جن کا تعلق اسی گاؤں سے ہے، اب وہ ادارہ مدرسہ ہذا سے ملحق نہیں ہے، وہ حضرات اپنے طور پر انتظام وانصرام اور تعلیمی نظام دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے ترقیات سے نوازیں۔ آمین

تعمیرات: جیسا کہ بتایا گیا کہ ۲۰۰۹ء میں مدرسہ تحفیظ القرآن کا قیام عارضی طور پر چند کمروں کی شکل میں عمل میں آیا، پھر جلد ہی محنت وکوشش کے بعد چند بسوہ زمین مدرسہ کے لئے خریدی گئی، اور ۲۰ رمئی ۲۰۱۲ء کو مدرسہ کی مستقل بنیاد رکھی گئی، اور حضرات اہل خیر کے تعاون سے تعمیر کا ایک حصہ مکمل ہوا جو چند کمروں پر مشتمل ہے، اور یہ مدرسہ کی موجودہ ضروریات کے لحاظ سے ناکافی ہے ضرورت ہے کہ پہلی منزل پر کمرے تعمیر کئے جائیں، جس کا کام شروع ہو چکا ہے، اصحاب خیر سے اس میں تعاون کی خصوصی درخواست ہے۔

تعمیر مساجد: اس وقت مدرسہ سے متعلق دو مسجدیں ہیں، ایک مسجد ''بیت المجید'' جس کی بنیاد ۲۰۰۷ء میں رکھی گئی، اندرونی حصہ کی صفائی کا کام مکمل ہو چکا ہے، دروازے اور پلّے وغیرہ لگائے جا رہے ہیں، بیرونی حصہ صفائی کا منتظر ہے، اس مسجد میں نمازِ پنجگانہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ دوسری ''جامع مسجد دارالسلام'' ہے، جس کی بنیاد ۱۹۸۲ء میں مولانا عبد الباری صاحب قاسمی سابق

ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے ہاتھوں رکھی گئی تھی، لیکن نامساعد حالات اور اپنوں کی بے توجہی کی وجہ سے بنیاد سے آگے کام نہ بڑھ سکا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے ۲۰۱۴ء میں دوبارہ کام شروع ہوا اور چار مرحلوں میں چھت تک کام مکمل ہوگیا، اگر چہ چھت تک کام کرانے میں اچھا خاصا قرض ہوگیا ہے جس کی ادائیگی ہنوز باقی ہے، ابھی مسجد بھی صفائی اور پلے دروازے نیز استنجا خانہ ووضوخانہ کا کام مکمل باقی ہے، جس کے لئے ایک فکر رہتی ہے۔ باری تعالیٰ اس کے بقیہ مراحل کو بھی آسان فرمائے تا کہ جلد ہی جمعہ کا قیام عمل میں آجائے۔ الحمدللہ چھت کا کام مکمل ہوتے ہی یہ زمین سجدوں سے آباد ہوگئی، اللہ ان تمام لوگوں کو قبول فرمائے جنھوں نے اس میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہو، اور اس کو ان کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

اعلانِ داخلہ

شعبۂ فارسی وعربی (اول، دوم، سوم) وحفظ میں جدید داخلہ ۸؍شوال سے شروع ہوگا، داخلے کے خواہش مند طلبا کی وضع قطع شریعت کے مطابق ہونی ضروری ہے، داخلہ کے وقت کوئی نہ کوئی ایسا ثبوت پیش کرنا ضروری ہے جو ہندوستانی شہریت کی دلیل ہو، جیسے ووٹر آئی ڈی، راشن کارڈ، آدھار کارڈ وغیرہ، مدرسہ میں دوران تعلیم موبائل پر مکمل پابندی ہوگی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔ داخلہ کے سلسلے میں طلبا درج ذیل نمبرات پر رابطہ کریں۔

نوٹ: شعبہ نسواں کے داخلے بھی اسی وقت ہوں گے۔

9559999984/9651856991/9235327576

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: ورق ورق معطر مولف: مولانا نفیس احمد خیرآبادی

صفحات: ۱۶۰ قیمت: سوروپئے (100/=) طباعت: عمدہ

ناشر: مکتبہ نذیریہ، جامعہ نگر، اترا ری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی) mob:8090671662

ملنے کے پتے: مکتبہ نعیمیہ دیوبند، مکتبہ عکاظ دیوبند، فہیم بک ڈپو، صدر چوک مئو، مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد

مطالعہ کے شوقین حضرات دورانِ مطالعہ کوئی اہم بات پاتے ہیں تو اسے محفوظ کر لیتے ہیں، یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے جاری ہے، بعض حضرات نے اپنے حاصل مطالعہ کو کتابی شکل میں شائع بھی کردیا۔ ماضی قریب کے بزرگوں میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی علیہ الرحمہ کے مطالعہ کا انتخاب ''ثمرات الاوراق'' معروف بہ کشکول'' کے نام سے شائع سے ہو چکا ہے، اسی طرح ان کے نامور فرزند مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے مطالعہ کا انتخاب ''تراشے'' کے نام سے شائع ہوا، اور ابھی چند سال پہلے اسی طرح کا ایک مجموعہ ''کتابوں کی درسگاہ میں'' شائع ہوا، جو بہت مقبول ہوا، اس کے مرتب مولانا ابن الحسن عباسی ہیں۔

زیرنظر کتاب خیرآباد کے ایک جواں سال فاضل مولانا نفیس احمد خیرآبادی کے مطالعہ کا ایک عمدہ اور بہترین انتخاب ہے، مطالعہ کے دوران جن باتوں سے وہ متاثر ہوئے اس کو انھوں نے محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، اور جب اس کا معتد بہ حصہ جمع ہوگیا تو اہل ذوق کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب کیا ہے؟ استاذ محترم مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

''زیرنظر کتاب میں قاری کو علم وعمل، فضل وکمال اور حکمت ودانائی کے دوش بدوش عزیمت واستقامت کی علمی قدریں ملیں گے، اخلاقیات کے جواہر پارے اپنی بہار در بہار دکھاتے نظر آئیں گے، دین وایمان اور تہذیب وروایات کی پاسداری کے گلہائے رنگارنگ کا حسین ودلکش مرقع نظر افروز ہوگا۔ ذہانت وذکاوت اور فہم وفراست کے ایسے نمونے ملیں گے جو عمل کے بند دریچوں کو وا کر دیں گے۔ اس مرقعے کے مطالعے کی سفارش کی جاتی ہے۔'' (ضیاء الحق خیرآبادی)